بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

رباعی

ہے خواب و خیال بزم گاہِ ہستی ۔۔۔ اور نقش بر آب عزّ و جاہِ ہستی

معجز پاداش نیستی ہے جس کی ۔۔۔ وہ سخت گناہ ہے گناہِ ہستی

"خان بہادر" مولوی سیّد اظہر علی صاحب اظہرؔ مرحوم کی بے وقت موت کے حادثہ نے دل و دماغ کو کچھ دنوں کے لیے ایسا بے حس و حرکت کر دیا کہ نفسیاتی قویٰ و افعال میں بیّن اختلال محسوس ہونے لگا۔

محرّرِ سطور سے مرحوم کے جو قدیم تعلقات تھے ان کا تقاضا اور مرحوم کے خلف الصدق عزیزی سیّد محمد علی صاحب سلّمہٗ کا اصرار اسی حالت میں اس جانب متوجہ بلکہ مجبور کرنے لگا کہ مرحوم کے مختصر حالات و سوانح قلم بند کیے جائیں۔ ناچار مجھ کو

قلم اُٹھانا پڑا اور اپنی معلومات کے سہارے جو کچھ لکھ سکا لکھا۔ ایسی حالت میں ممکن ہے کہ ترتیب واقعات و ربط مضامین میں کوتاہی ہو اور مرحوم کے محامد اخلاق و محاسن عادات کا استیعاب نہ ہو سکے۔ ایسی تقصیر میری کم فرصتی کی وجہ سے قابل معافی ہے۔ اسی اثنا میں صاحبزادۂ موصوف نے اپنے والد مغفور کے اشعار کی فراہمی کی جانب توجّہ کی اور جو کچھ دستیاب ہوا وہ بذریعہ ڈاک سہسوان سے مولوی سید نظر احمد صاحب نے میرے پاس فیض آباد بھیج دیا، ساتھ ہی یہ خواہش ظاہر کی کہ مرحوم کے کلام پر بھی ایک تبصرہ ہو جائے۔ مجکو اپنے مشاغل و فرائض سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ کلام پر نقد و انتقاد خاطر خواہ کروں لیکن اس خیال سے کہ ان کی شاعری کا تذکرہ بغیر اظہار رائے و تنقیب نظر تشنہ رہے گا۔ لہٰذا ایک مختصر ریویو آپ کے دیوان پر بالاجمال کر دیا تاکہ کلام کا مطالعہ کرنے والے شاعر کے ذوقِ سلیم کا اندازہ کر سکیں۔

سلسلۂ نسب و خاندان

خان بہادر مرحوم کا سلسلۂ نسب قاضی سیّد عبد الشکور شہیدؒ تک گیارہ واسطے سے منتہی ہوتا ہے۔ قاضی صاحب شہیدؒ سادات مودودی نقوی سہسوان کے جدّ اعلیٰ تھے وہ اور ان کے آباء و اجداد عہدہائے جلیلۂ شرعیہ پر مامور رہے اور منصب قضا پر فائز ہو کر امروہہ و سہسوان میں سکونت پزیر ہوئے۔ قاضی صاحب طاب ثراہ کی شہادت کے بعد عہدۂ قضا و افتار بعہد بادشاہِ اسلام نصیر الدّین ہمایوںؒ آپ کے

دو فرزندوں مولانا قاضی محمدؐ صالح و مولانا مفتی محمدؐ فاضل رحمہما اللہ کو تفویض ہوا اور
یہ دونوں منصب ان دونوں بزرگوں کی نسل ہیں اوائل حکومت انگریزی تک قائم
رہے۔ خان بہادر مرحوم کا شجرۂ نسب قاضی محمدؐ صالح رحؒ تک پہنچتا ہے جس طرح کاتب سطور کا
سلسلۂ نسبی مفتی محمدؐ فاضل رحؒ سے اتصال رکھتا ہے۔

خان بہادر مرحوم کے والد ماجد خان بہادر میر مظہر علی صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر تھے
جن کو گورنمنٹ نے بہ سبب اعزاز موروثی و وجاہت خاندانی عہدۂ ڈپٹی کلکٹری پر فائز
کیا اور آپ کے نمایاں کارناموں اور حسن خدمات کے صلہ میں حکومت نے خطاب
خان بہادری سے ممتاز کیا اور پھر ایک خاص وفاداری کے مظاہرہ پر اتمام مدت
ملازمت سے قبل آپ کو پوری پنشن دے کر خدمت سے سبکدوش کیا اور پنشن کے
علاوہ پچھتّر روپیہ ماہوار بطور اعزازہ آپ کے لیے مقرّر کیے جو آخر وقت تک آپ کو
ملتے رہے اور بعد ترک ملازمت آنریری اسسٹنٹ کلکٹری کی خدمات انجام دیتے رہے
نہایت پابند شریعت پیرو کتاب و سنّت تھے۔ آپ نے بہ عمر ۸۴ سال ۱۹۳۰ء مطابق
ماہ رجب ۱۳۴۸ ہجری آپ سے نو سال قبل وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ڈپٹی صاحب مرحوم کے والد بزرگوار جناب میر مودود بخش صاحب رسالدار
مرحوم رئیس اعظم سہسوان سردار فوج گورنمنٹ برطانیہ تھے۔ حکومت کو اُن پر خاص
اعتماد تھا۔ ان کے کارہائے نمایاں کے صلہ میں گورنمنٹ نے ان کو سردار بہادر و
خان بہادر کے دو معزز خطابوں سے سرفراز کیا۔ آپ آبائی ثروت و ریاست کے

مالک تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت وتربیت

میر اظہر علی صاحب کی ولادت ماہ محرّم ۱۲۹۰ھ ہجری مطابق ۱۸۷۳ء عیسوی میں اپنے وطن سہسوان ضلع بدایون میں ہوئی، تاریخی نام "سیّد اظہر علی" تھا۔ آپ کے ایک بہن اور ایک بھائی سیّد رفعت علی تھے جن کا انتقال ۱۹۱۳ء میں پچیس سال پیشتر ہوگیا اور دو بھائی سیّد افسر علی و سیّد انور علی آپ سے چھوٹے تھے۔ لیکن سیّد افسر علی کا ۱۹۳۰ء میں آٹھ سال پیشتر بعارضہ وجع القلب ناگہاں انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے آپ ہمیشہ مغموم وکبیدہ رہا کرتے کیوں کہ بہ نسبت اور بھائیوں کے ان سے آپ کو تعلق خاص تھا۔ آپ کے حقیقی عمّ بزرگوار جناب میر بنیاد علی صاحب مرحوم لاولد تھے انھوں نے صغر سنی میں آپ کو اپنا فرزند بنا لیا اور آپ کے والدین نے اس کو بخوشی منظور فرمایا اور آئندہ آپ کو اپنی اولاد میں شمار کرنا برادرِ معظّم کی دل شکنی کا باعث سمجھا۔ چنانچہ آپ کی پرورش اور تربیت وتعلیم وغیرہ کا تمامتر تعلق آپ کے جدید والدین سے ہوگیا اور ان کی حیات تک مادری وپدری تعلقات ان ہی کے ساتھ قائم رہے۔ انھوں نے اپنے متبنّیٰ کو حقیقی اولاد سے بڑھ کر سمجھا اور اپنی کل جائداد واملاک ومتاع ودولت کا مالک بنا دیا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مختلف معلّمین شہر سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے شفیق مربّی نے مولوی شیخ امیر حسن انصاری رح کو آپ کی تعلیم کے لیے ملازم رکھا۔

آپ کے عم بزرگوار بوجہ تعلقات خاندانی وجائداد وغیرہ ریاست بڑودہ ملک گجرات میں جاکر مہینوں قیام کرتے تھے۔ اس لیے آپ کے اُستاد کی رفاقت لازمی ہوتی تھی اور تعلیم کا سلسلہ قائم رہتا تھا۔ مولوی صاحبؒ نے فارسی کی تکمیل کے بعد آپ کو صرف ونحو عربی کی تعلیم دی۔ جب وطن میں متصل قیام رہا تو مولانا سیّد عبدالحسیب صاحب مرحوم سے شرح ملّاجامی اور مختصر المعانی مع بعض رسائل منطق پڑھے چوں کہ مبدأ فیّاض سے ذہن رسا پایا تھا اور طبیعت کو حصول علم کا شوق تھا، اس مقدار پر قناعت نہ کی اور کچھ زمانہ کے بعد مولوی حکیم سیّد محمود عالم صاحب مغفور سے ہدیہ سعیدیہ و قطبی منطق وفلسفہ میں پڑھ کر اقسرائی شرح موجز وشرح اسباب فن طب میں حاصل کی۔ پھر علم حدیث کی بعض کتابیں علّامۂ عصر رئیس المحدثین مولنا محمد بشیر صاحب علیہ الرحمہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد اکثر کتب فقہ وعقائد وتفسیر کا خود مطالعہ کیا اور دینیات میں ضروری معلومات استعداد کے مطابق بہم پہنچائے۔ بڑودہ (گجرات) کے قیام میں گجراتی زبان اور اس میں نوشت وخواند کی عمدہ مہارت پیدا کی۔ پھر شادی نکاح کے بعد جب اپنی ریاست و جاگیر کے کام کی نگرانی کی طرف توجہ کی تو پہلے آپ نے انگریزی زبان دانی کی ضرورت کو محسوس کیا اور ایک انگلش ماسٹر کو اس خدمت پہ مقرر کر کے تھوڑے عرصہ میں خاصی قابلیت حاصل کرلی اور پھر کتب واخبارات کی مدد سے اپنی استعداد کو نمایاں ترقی دی۔ آپ کے عم معظم نے امرائے عصر کے خلاف اپنے لخت جگر کو

تعلیم علوم والسنہ کے ساتھ ریاضت جسمانی و فنونِ سپہگری ورزش، کشتی، بنّوٹ، شہسواری اور بندوق چلانے کی مکمّل تعلیم سے بہرہ ور کیا۔ اُستادانِ فن کو اپنے یہاں ملازم رکھّا جنھوں نے محنت سے ہنر سکھائے۔

آپ کشتی و ورزش میں گنور کے مشہور پہلوان عبدالرحیم عرف للاّ میاں کے شاگرد تھے اور پنجہ کشتی کی مشق اپنے شفیق عمّ بزرگوار سے کی تھی، بہ زمانۂ قیام بڑودہ سیاجی راؤ مہاراج بڑودہ کے اُستاد ماسٹر پٹیل آتما رام سے مسمریزم و امپریجیلزم حاصل کیا اور ریاست کے مشہور اُستاد نظام میاں سے شہسواری اور گھوڑوں کی عیب و صواب کی معلومات حاصل کی تھیں۔ غرض کہ آپ اس تربیت و تعلیم کی وجہ سے ظاہری و باطنی کمالات کے جامع تھے۔ اس زمانہ میں ایسی مثالیں کم یاب ہیں۔

عام حالات وتعلّقات

ازدواج و تاہّل مربّیوں کی صوابدید پر ۱۳۰۹ہجری مطابق جنوری ۱۸۹۲ء میں آپ کا نکاح بڑودہ میں نوّاب میر کمال الدّین حسین رئیس درجۂ اول ریاست بڑودہ کی دختر سے منعقد ہوا۔ نوّاب صاحب مرحوم کا خاندان دہلی سے بڑودہ منتقل ہوا تھا، اور ریاست میں ان کا اعزاز و اکرام خاص امتیاز رکھتا تھا۔ اس عقد کی وجہ سے آپ کے تعلّقات وہاں زیادہ ہوگئے اور قیام بھی آپ کا وہاں زیادہ ہونے لگا۔ چنانچہ خود ایک غزل کے مقطع میں فرمایا ہے ؎

چلو، سہسواں کا کرو قصد اظہر
بڑودہ میں اب دل بہلتا نہیں ہے

نوّاب صاحب موصوف نے اپنی جاگیر و دولت و مکانات کی مالک صرف دو لڑکیاں چھوڑی تھیں اس لیے متروکہ کا نصف حصّہ آپ کی بیوی کو جہیز میں ملا، اور بقیہ نصف حصّہ دوسری صاحبزادی زوجہ نوّاب میر صدر الدّین حسین خاں مرحوم نے پایا۔ خان بہادر مرحوم نے اپنی حسن تدبیر سے سسرال کی جائداد کا بہت عمدہ انتظام کیا اور وہاں کے امرا و حکّام میں عزّت و وقعت حاصل کی۔ آپ کی بیوی نے شادی سے سات آٹھ برس کے بعد بعارضۂ طاعون بڑودہ میں انتقال کیا اور اولاد میں صرف دو لڑکیاں کم عمر چھوڑیں۔ ان کے بعد مرحوم نے تقریباً پندرہ سال تک اپنا دوسرا عقد نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دونوں لڑکیاں اپنے جدّ بزرگوار کی اعلیٰ تربیت و تعلیم سے فارغ ہوکر انتظام خانہ داری و امور خانگی سے باخبر ہوگئیں۔ آپ نے اس وقت اپنے بزرگوں کے اصرار سے اپنا عقد ثانی کیا۔ یہ عقد بھی بڑودہ میں ہوا۔ آپ کے قریب ترعزیز میر عطا حسین صاحب جو بڑودہ میں فروکش تھے اور سہسوان و بڑودہ میں معقول جائداد رکھتے تھے، ان کی دختر سے آپ کا نکاح ۱۹۱۵ء میں ہوا لیکن انھوں نے بھی اب سے چھ سات سال قبل سہسوان میں انتقال کیا اور ایک دختر اور ایک پسر عقب میں چھوڑے، اس کے بعد مرحوم نے نکاح کا قصد نہیں کیا اور سن بھی قریب ساٹھ برس کے ہوچکا تھا۔ یہ تینوں لڑکیاں اور ایک پسر

آپ کی اولاد ہیں سلمہم اللہ تعالیٰ۔ آپ نے اپنے عقد ثانی کے بعد اپنی دو بڑی صاحبزادیوں کا نکاح خاص اہتمام سے اپنے مربّی عمّ بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں کیا۔ سب سے بڑی صاحبزادی کا عقد اپنے خسر ثانی مرحوم کے فرزند رشید میر محمّد حسن صاحب رئیس بڑودہ وسہسوان کے ساتھ کیا اور دوسری صاحبزادی کا نکاح ان کی خالہ کے پسر سیّد محمّد امین الدین حسین صاحب آئی، سی، ایس کلکٹر ضلع علی باغ واقع احاطہ بمبئی خلف نوّاب صدر الدین حسین خاں مرحوم کے ساتھ منعقد کیا اور اپنی زوجۂ اولیٰ کی تمام جاگیر و دولت ان کی دونوں لڑکیوں کے جہیز میں دے دی اور خود کوئی حصّہ نہیں لیا۔ آپ کو ان دونوں سے انتہا سے زیادہ محبت تھی، ہر معاملہ میں ان کی خوشی مقدّم رکھتے۔ اب آپ کے فرزند سعید میر محمّد علی سلّمہ اور ان کی بڑی بہن جو زوجۂ ثانیہ کے بطن سے ہیں ناکتخدا ہیں۔ صاحبزادہ کا سن اس وقت سترہ سال ہے تحصیل علم میں مشغول ہیں سلّمہ اللہ تعالیٰ۔

خان بہادر مرحوم کے حقیقی چھوٹے بھائی میر انور علی صاحب پنشنر تحصیلدار آپ کی وفات سے چند ماہ پیشتر ریٹائر ہو کر وطن آ گئے ہیں۔ آپ نے نہایت نیک نامی و حسن کارگزاری کے ساتھ فرائض ملازمت انجام دیے اور اعزاز و اکرام خاندانی کو محفوظ رکھا۔ اب انتظام جائداد و زمینداری کی طرف متوجّہ ہیں اور ریاست موروثی کی نگرانی میں مصروف۔ بدرجۂ غایت خلیق و متواضع ہیں۔ سلّمہم اللہ تعالیٰ۔

اعزاز و خطابات

خان بہادر مغفور کے جدِّ امجد میر محمود بخش خاں بہادر رسالدار نے حکومت سے خطاب سردار بہادر و خان بہادر پایا تھا اور والد ماجد یعنی میر مظہر علی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر نے خطاب خان بہادر حاصل کیا تھا۔ ان کے بعد آپ کا نمبر آیا اور وجاہت و اعزاز خاندانی کے علاوہ آنریری خدمات و وفاداری حکومت کے صلہ میں آپ کو اوّل سنہ ۱۹۲۷ء میں گورنمنٹ نے خطاب "خان صاحب" اور پھر سنہ ۱۹۳۵ء میں خطاب "خان بہادر" سے ممتاز کیا، اس طرح یہ وراثت تین پشت تک قائم رہی اور عزّت خاندانی میں ترقّی ہوئی۔ مرحوم کی حسن قابلیّت و کامیاب مساعی کا یہ نمونہ قابل رشک ہے جس کی نظیر کم یاب ہے۔ اعلیٰ حکام کو آپ کی ذاتی قابلیّت و حسن تدبیر پر خاص اعتماد تھا اور اس کا اعتراف گورنمنٹ کی جانب سے یوں کیا گیا کہ آپ کو اوّل دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں حاکم ضلع کی خاص سفارش سے آنریری اسسٹنٹ کلکٹر درجۂ دوم اور پھر نومبر سنہ ۱۹۲۳ء میں اسسٹنٹ کلکٹر درجۂ اوّل کے اختیارات عطا ہوئے۔ اسی کے ساتھ سنہ ۱۹۲۶ء میں آنریری اسپشل مجسٹریٹ درجۂ دوم اور سنہ ۱۹۳۴ء میں مجسٹریٹ درجۂ اوّل کے اختیارات دیے گئے۔ ان اعزازات سے قبل جنگ عظیم سنہ ۱۹۱۴ء میں فوج کی بھرتی کے لیے آپ کو رکروٹنگ افسری کی خدمت تفویض کی گئی اور حسن کارگزاری کے صلہ میں سنہ ۱۹۱۸ء میں ایک بیش قیمت گھڑی آپ کو پیش کی گئی۔ آپ ایک مدت میونسپل کمشنر اور وائس چیرمین میونسپل بورڈ

سہسوان اور ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ بدایوں بھی رہے تھے، اسی سلسلہ میں حاکم ضلع نے
خاص اعتماد کرتے ہوئے آپ کو کورٹ آف وارڈس قصبہ بلسی کا نگراں اور
کوآپریٹر بنک کا ڈائرکٹر مقرر کیا۔ آپ نے اِن تمام خدمات کو نہایت قابلیت سے
انجام دیا، تمام ماتحت و مافوق آپ سے ہمیشہ خوش رہے۔ آپ مسلمانان سہسوان
میں اوّل درجہ کے رئیس اور معزز ترین مرتبہ کے مالک تھے۔ آپ کی ہستی
اہل شہر کے لیے مایۂ ناز تھی اور سہسوان کی پبلک آپ کی گرویدہ۔ آپ نے
وہ جگہ خالی کی جس کا پُر ہونا اب دشوار نظر آتا ہے۔

حلیہ معتدل قامت، وجیہ، خوب صورت ورزشی بدن، سڈول
اعضاء، بارعب اور شگفتہ چہرہ، گھونگروالے بال، بڑی بڑی آنکھیں
عریض سینہ، داڑھی گول اور بھری ہوئی، تقریباً پندرہ[۱۵] سال سے بالوں میں
سیاہ خضاب کرتے تھے چھ سات سال سے بڑھاپے کے کچھ آثار نمایاں ہوئے تھے۔

سیرت و عادات حسن سیرت و وسعتِ اخلاق و سنجیدگی طبع و خوش مزاجی
میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ہر شخص سے نہایت سادگی و
بے تکلفی اور کشادہ روئی سے پیش آتے تھے۔ کسی کی دل شکنی و آزردگی کسی
حالت میں گوارا نہ تھی، ظرافت بھی خوش گوار حد تک تھی۔ عجز و انکسار اور
تواضع کا جوہر بدرجۂ غایت تھا۔ احباب کی قدر و منزلت اور ان کے مراتب کا
لحاظ کرتے تھے۔ دشمنوں سے بھی باوجود مخالفت کشادہ پیشانی سے ملتے تھے

صلح پسند اور فتنہ و فساد سے برکنار، نہایت مہماں نواز و سیر چشم تھے۔ طبیعت لطافت پسند و حسن پرست پائی تھی، ہر قسم کی نفیس اشیاء کے قدردان، محنت و جفاکشی میں مستعد، بچپن سے سیر و شکار کے شوقین تھے۔ اپنے بزرگوں کی معیت میں دور دراز میلوں میں جاتے اور عمدہ عمدہ گھوڑے خرید کر لاتے تھے ان کی مہذب و دلچسپ مجلس میں کیسا ہی محزوں و متفکر شخص پہنچ جاتا اس کا غم غلط ہو جاتا۔ ہر علم و فن کا تذکرہ، ادبی مباحث، سیاسی مسائل، حالاتِ حاضرہ پر بحث، اخبارات پر رائے زنی، اور شعر و شاعری کا مذاق آپ کی مجلس کی خصوصیات تھیں۔ صبح و شام خصوصاً شب کا وقت ہمیشہ احبابِ مخلصین کی صحبت کے لیے وقف تھا۔ محرّرِ سطور سے بلحاظ قرابت و رشتہ اور باعتبار سن بڑے تھے۔ عمر میں پانچ سال کا تفاوت تھا، لیکن مساویانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ ابتدا سے تعلیم میں ہر استاد کے درس میں ساتھ رہا تھا پھر اکثر بطور سیر و تفریح اپنے مواضع جاگیر پر بھی ساتھ لے جاتے تھے اور ہمیشہ جب احقر وطن گیا تو دو تین دفعہ اپنے ہمراہ سیر و شکار کو لے گئے۔ احباب کے ساتھ آپ کا یہی مخلصانہ سلوک اور بے تکلفانہ برتاؤ رہتا تھا۔ سب ان کی صحبت کو عزیز رکھتے تھے۔ ان کو اپنی ریاست و خدم و حشم کا کبھی خیال بھی نہ ہوتا تھا۔

مذہبی زندگی

اسلامی عقائد و عبادات میں سلف کے پیرو اور قرآن و حدیث کے متبع تھے، رسوم و بدعات سے متنفر، پختہ عقائد

خالص اہل سنت و جماعت تھے، چنانچہ خود ایک غزل کے مقطع میں کہتے ہیں

سیر جنت کی بھی اک روز کروں گا اظہر
متبع سنتِ سلطان رسل کا ہو کر

آپ نے حسن تربیت سے نماز و روزہ وغیرہ کی ابتدائے عمر سے پابندی کی اور آخر تک سختی سے فرائض و واجبات پر قائم رہے۔ تلاوت قرآن و ادعیہ و مطالعۂ کتب دینیہ کا شغل و شوق رکھتے تھے۔

آپ نے ایک معقول حصہ جائداد کا وقف کر کے مسجد جامع میں مدرسۃ القرآن قائم کیا۔ سہسوان میں حفظ قرآن کی طرف سے مسلمان غافل ہو چلے تھے آپ نے حمیت دینی کے مخلصانہ جوش میں اس کمی کو پورا کیا اور ایک حافظ قرآن کو بلا کر مدرسہ جاری کیا جس کا فیض یہ ہے کہ اس وقت قصبہ میں بہ کثرت حافظ قرآن فارغ التحصیل ہو کر نکل چکے ہیں اور بہت طلاب مشغول درس ہیں اور بہ تعداد کثیر قرآن خواں ہر طرف نظر آتے ہیں۔ سال گزشتہ جب محرر سطور وطن گیا تھا، تو مرحوم نے مدرسہ کی مستقل تعمیر کا ارادہ بیان کر کے اس کے مصارف کے متعدد تخمینے اور نقشے دکھائے تھے اور زمانۂ قریب میں عمارت کی تکمیل کا قصد ظاہر فرمایا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ ان کے خلف رشید سلمہ کو توفیق دے کہ وہ اپنے والد مغفور کے اس منشائے خیر کو مکمل کر کے خود داخل حسنات ہوں اور ان کی روح اقدس کو اس خیر جاری کا ثواب دائمی پہنچائیں۔ مرحوم بہت سے

غربا و مساکین و پردہ نشین بیواؤں کی خفیہ امداد فرماتے تھے۔ علماے دین کی نہایت قدر و منزلت کرتے تھے۔ جزاہ اللہ خیراً۔ دینی اور قومی امور میں دل کھول کر حصّہ لیتے تھے۔ امسال آپ کا قصد حج بیت اللہ کا تھا اور اس کی اطلاع مجھ کو عزیز گرامی قدر مولوی سیّد نظر احمد صاحب نے دی تھی۔

مختلف حالات

آپ کو باغ لگانے کا شوق ہوا۔ اپنی جاگیر کے ایک موضع میں جو شہر سے دو تین میل پر واقع ہے باغ لگانے کے لیے جگہ تجویز ہوئی، دوٗر دوٗر سے مختلف عمدہ آموں کی قلمیں منگائیں مشہور اقسام انبہ کے درخت نصب ہوئے اور ایک وسیع رقبہ میں باغ تیار ہوا جس کا عیش باغ نام رکھّا۔ آم کے سوا اور پھلوں کے بھی درخت تھے۔ گل و ریاحین کا بھی تختہ تھا۔ وسط باغ میں ایک مختصر و خوش نما کوٹھی بھی تعمیر ہوئی جو راحت منزل کے نام سے موسوم کی گئی۔ وہاں اپنے اعزّہ و احباب کی اکثر دعوت کیا کرتے تھے عیش و نشاط کی محفلیں بھی کبھی کبھی گرم ہوتی تھیں، حاضرین لطف اندوز ہوتے تھے۔ کاتب الحروف نے باغ کی تیاری پر چند تاریخی قطعات آگرہ سے آپ کو بطور تہنیت بھیجے تھے۔ ان میں سے دو مختصر قطعے بطور یادگار درج ذیل ہیں ؎

(۱)

مرتب ہو گیا جب یہ گلستانِ طرب افزا
آڑی ہر کوچہ و برزن میں شہرت اس کی بو ہو کر

دعائیہ سن فصلی لکھا یہ کلکِ معجز نے
پھلیں پھولیں شجر یہ سب نہالِ آرزو ہو کر

۱۳۱۱ فصلی

زہے بستانِ اشجارِ ثمرور (۲) کزو بر سینۂ فردوس داغے
پئے تاریخ سالِ نخلبندی عیاں از غیب شد: شاداب باغے

۱۳۲۱ ہجری

پہلا قطعہ بہ مناسبت باغ سن فصلی کی تاریخ بتاتا ہے اور دوسرے قطعہ میں تاریخ اسلامی ہجری ہے۔ اب اس واقعہ کو تقریباً ۲۶ سال کا زمانہ ہوا۔ باغ سرسبز ہے، باغباں جنت الفردوس کو راہی ہوا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس کے متصل ہی قریب ہی امسال آپ ایک دوسرا قلمی آم کا باغ نصب فرما رہے تھے جو آپ کی بے وقت موت کی وجہ سے ناتمام رہ گیا۔ میاں محمد علی سلمہ کو خدائے تعالیٰ توفیق دے کہ وہ اپنے والد مرحوم کی منشا کو پورا کر سکیں۔

۱۹۲۷ء میں جب آپ کو خطاب "خاں صاحب" گورنمنٹ سے ملا ہے تو اس دورافتادہ کو فیض آباد خط لکھا اور مژدۂ حصولِ خطاب سنایا۔ جواب میں خاکسار نے بارہ قطعات تہنیت و تاریخ لکھ کر روانہ کیے۔ ان میں سے چند قطعے میرے ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے آئینہ میں لگا کر اپنی کوٹھی میں آویزاں کیے من جملہ ان کے دو قطعے یہاں درج کیے جاتے ہیں ؎

سید اظہر علی والا گہر یافت تشریفِ خطاب لاجواب
از پئے تاریخ سالِ ہجریش (۱) گفت مظہرؔ: محترم آمد خطاب

۱۳۴۵ھ

مبارک سیّد اظہر علی کو خطابِ عزّت و اقبال - آمین
لکھا معجز نے بہرِ سال تاریخ (۲) ہے خان صاحب خطابِ عزّت آمین

۱۹۲۷ء

اس کے بعد جب ۱۹۳۵ء میں دوسرا خطاب "خان بہادر" ملا اس پر بھی راقم سطور نے حسب دستور بارہ[۱۲] قطعات تاریخی بطور تہنیت فیض آباد سے بھیجے اور چند قطعے صاف کر کے خود ایک آئینہ میں فریم کرا کے وطن میں آپ کو پیش کیے جو کوٹھی میں آویزاں ہو گئے۔ ان میں سے بطور یادگار یہاں دو[۲] قطعے مندرج کیے جاتے ہیں ؎

خطاب یافت چو اظہر علیؔ عالی جاہ ز پیش گاہ شہنشاہ چارج پنجم جناب
بہ سال او دلِ معجز چو کرد اندیشہ (۱) ندا رسید کہ - خانِ بہادر است خطاب

۱۹۳۵ء

رئیسِ محترم اظہر علی نام آور نظیر ان کا جہان میں ملے یہ ہے دشوار
ہے اعتمادِ حکومت پہ اُن پہ روز افزوں (۲) خطابِ خان بہادر ملا ہے اب کی بار
لکھا یہ خامۂ معجز نے مصرعِ تاریخ خطابِ خان بہادر نوید عز و وقار

۱۹۳۵ء

مرض - وفات

فما کان موت القیس موتۃ واحد ٭ ولکنہ بنیان قوم تھدما
قیس کی موت ایک شخص کی موت نہیں بلکہ ایک جماعت کی موت ہے

خان بہادر مرحوم کی حیات کے آخر زمانہ یعنی ۱۲ر جولائی ۱۹۳۸ء میں
اب سے صرف پانچ ماہ قبل اتفاقیہ طور پر کاتب سطور دو روز کے لیے وطن گیا
اور آپ سے آخری ملاقات کی۔ اس واقعہ سے غالباً دو تین ہفتہ بعد مرحوم کو
یکایک اختلاج قلب اور گھبراہٹ کے دورے پڑنے شروع ہو گئے مقامی
ڈاکٹروں و اطبا کی تشخیص و تجویز ناکام رہی تو سول سرجن کے مشورہ کے لیے
آپ بدایوں گئے۔ لیکن درد کا مداوا وہاں بھی نہ ہوا۔ اور اہل الرائے کے مشورہ سے
لکھنؤ کا قصد کیا وہاں کے نامور ڈاکٹروں کے معالجہ سے شکایات مذکورہ کا ازالہ
تو کافی طور پر ہو گیا لیکن ایک سخت تکلیف دہ ورم کان کے پاس (غالباً طاعون)
پیدا ہو گیا۔ آخر اسی مرض میں بہت جلد یعنی بائیس دن کے اندر لکھنؤ میں دنیا سے
رخصت ہو گئے۔ شب پنج شنبہ ۷ر ماہ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۲ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو
یہ حادثہ وقوع میں آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

وتذکر اخلاق الفتیٰ وعظامہ مُغَیَّبَۃٌ فِی التُّرب بالٍ رمیمہا
انسان کے اخلاق حسنہ کا ذکر باقی رہ جاتا ہے اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں

آپ کی موت کی خبر تار کے ذریعہ ۱۲ بجے دوپہر سہسوان پہنچی اور بجلی کی طرح
آناً فاناً تمام شہر میں دوڑ گئی اور ایک کہرام مچ گیا۔ بلا تخصیص مذہب و قوم ہر شخص
مضطر و پریشان نظر آنے لگا۔ اسی وقت تمام شہر میں ہڑتال کر دی گئی اور میونسپلٹی
سے متعلق جملہ دفاتر بند کر دیے گئے اور بارہ بجے رات تک تمام لوگ جنازہ

کی آمد کا بے تابی کے ساتھ انتظار کرتے رہے مگر آپ کے اعزّہ نے شرعی نقطۂ نظر سے آپ کی تکفین و تدفین کا لکھنؤ ہی میں انتظام کر کے عیش باغ لکھنؤ میں آپ کو دفن کیا۔ اس لیے مسلمانانِ سہسوان کی ایک کثیر جماعت نے دوسرے روز نمازِ غائبانہ ادا کر کے آپ کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ یہ بھی عجیب اتّفاق ہے کہ آپ کے باغ کا نام بھی عیش باغ ہے اور لکھنؤ میں بھی آپ عیش باغ ہی میں دفن ہوئے۔ خدا کرے کہ اب وہاں بھی آپ کو عیش باغِ جنّت نصیب ہو۔

بحسابِ سنِ ہجری آپ کی عمر ۷۰ سال اور بحسابِ سنِ عیسوی ۶۵ سال کی ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کی وفات حسرت آیات پر اکثر اعزّہ واحباب نے تاریخیں کہیں اور کاتب السّطور نے بھی چند قطعات حامل تاریخ موزوں کیے، جن کا ذکر یہاں موجبِ تطویل ہے۔ لیکن، ایک قطعہ جس میں مرحوم کے اوصافِ حسنہ و عادات و اخلاق پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور مبالغہ شاعرانہ سے پاک ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کی ایک مختصر سوانح عمری ہے، اس کا یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد مرحوم کی شاعری پر تبصرہ کیا جائے گا۔ ؎

حیف میر اظہر علی یکتا رئیسِ نامور — گوہرِ درجِ ریاست، مہرِ چرخِ عزّ و جاہ
محفلِ ہستی کی دنیا کو وہ ویراں کر گئے — کیوں نہ ہو اہلِ وطن کی نظروں میں عالم سیاہ
دل مسخّر کر لیے تھے، عام حسنِ خُلق سے — کشورِ اخلاص و الفت کے تھے وہ اک بادشاہ

ان کا وہ اخلاص، وہ انداز عجز و انکسار — وہ تحمّل، وہ متانت، وہ مروّت کی نگاہ

رکھتے تھے وہ ملنے والوں کے مراتب کا خیال — اور پھر ملحوظ ہر دم وضع کا اپنی نباہ

ان کی خو بو، صورت و سیرت سے ہیں جو آشنا — کیا سمائے ان کی نظروں میں کسی کی رسم و راہ

خوش مذاقی، خوش مزاجی، خوش کلامی، خوش دلی — تھے محاسن ان کے یہ مخصوص خالق ہے گواہ

نکتہ سنج و نکتہ داں ہر علم و فن سے باخبر — ہر ہنر سے آشنا ہر مرحلے میں خضر راہ

شاعری میں تھے وہ شاگردِ امیر لکھنوی — تھی غزل گوئی میں حاصل ان کو عمدہ دستگاہ

کوششیں تھیں ان کی اعلیٰ مقصدوں میں کامیاب — پایۂ عزّت بلند ان کا ہوا بے اشتباہ

خاندانی جاہ و عزّت میں لگائے چار چاند — کر دیا نامِ سلف روشن بتائیدِ الٰہ

پائی گھر بیٹھے حکومت اور حکومت سے خطاب — بخت یاور نے ترقی کی جو کھولی شاہراہ

نیکیاں تھیں ذات میں ان کے بہت باخیر تھے — یہ نہیں کہتا ہیں وہ معصوم تھے بلے لے گناہ

رشک کے قابل تھی وہ پابندیِ صوم و صلوٰۃ — رکھتے تھے معمور اوقات اپنے وہ شام و پگاہ

مولوی تھے اور موحّد، شرک و بدعت کے خلاف — پیرو قرآن و سنّت حق شناس و دیں پناہ

لکھنؤ جا کر کیا دنیا سے جنّت کا سفر — موت غربت کی شہادت ہوتی ہے وا حسرتاہ

دیکھنے پائے نہ گلزارِ تمنّا کی بہار — چھوڑ کر فرزند کو مغموم لی جنّت کی راہ

وہ ہوئے روپوش کیا، تاریک دنیا ہو گئی — آفتاب آیا گہن میں یا ہوا بے نور ماہ

کاش مہلت اتنی مل جاتی اجل کے ہاتھ سے — دیکھتے بیٹے کا سہرا اور رچاتے اس کا بیاہ

دوسری ماہ ستمبر کی رجب کی ساتویں — پنج شنبہ کی تھی شب پہنچا جو پیغامِ الٰہ

صبرِ اولاد و اعزّہ کو ہو ان کے مرحمت — اور انھیں فردوسِ اعلیٰ میں میسّر ہو رفاہ

کیا کرے جا کر وطن اب معجزِ آشفتہ حال — اٹھ گیا دنیا سے جب اک قدر دانِ خیر خواہ

ہر سنِ ہجری میں تاریخی دعا ان کے لیے — ہو گلستانِ دل آرام ارم آرام گاہ

۱۳۵۷ھ

بہرِ سالِ عیسوی یہ غیب سے آئی ندا
شمعِ اخلاق و مروّت ہو گئی گل جلد آہ

۱۹۳۸ء

عزیز والا شان مولوی سید نظر احمد صاحب سلّمہٗ کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھکو مرحوم کے خاص خاص واقعات و سوانح کے متعلق سن و تاریخ سے مطلع کیا بلکہ سچ پوچھیے تو ان ہی کی تحریک نے مقدّمہ و تبصرہ لکھنے پر مجھکو آمادہ کیا اور مرحوم کا دیوان بھی سہسوان سے میرے پاس بذریعہ ڈاک روانہ کیا اور وہ خان بہادر مرحوم سے اپنی خصوصیات کے باعث ان کے کلام کی طبع و اشاعت میں خاص دلچسپی لیتے رہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔

تبصرہ

خان بہادر میر اظہر علی صاحب اظہر سخن گوئی و سخن فہمی کا ذوق بدوِ فطرت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ موزونیِ طبع و قوّتِ نظم کا اظہار ابتدا سے ہوتا رہا۔ وہ جو کچھ کہتے تھے مجھکو سناتے تھے اور میں بھی جو کچھ کہتا تھا ان کو سناتا تھا۔ مرحوم کی جولانیِ طبع کا میدان زیادہ تر صنفِ غزل تھی۔ طبیعت رنگین و خوش مذاق پائی تھی، لکھنؤ اسکول کی شاعری کا انداز شروع سے دل نشین تھا، پھر وہیں سے استفادہ بھی کیا۔ امیر مینائی لکھنوی متوفی ۱۳۱۸ھ اس فن میں آپ کے اُستاد تھے جب تک امیر مرحوم زندہ رہے آپ ان کے پاس اصلاح کے لیے غزلیں بھیجتے تھے۔ کلام سے استاد کی شاعری کا رنگ نمایاں ہے۔ مضامین کی تلاش بھی کم ہے۔ صنم خانۂ عشق (دیوان امیر) کے حسنِ نظر فریب پر دلدادہ تھے اور اس کا تتبع مرکوزِ خاطر تھا۔ اکثر اپنے مکان پر مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ تخلص اظہر تھا۔ با ایں ہمہ شعر گوئی کا جنون نہ تھا، صرف تفریحی مشغلہ تھا۔

ارتقاءِ فکر بڑودہ کے خوش گوار قیام میں آپ کے ذوقِ شاعری نے ارتقائی منازل طے کیں، وہاں کی خوش مذاق سوسائٹی نے جذباتِ شاعرانہ میں حرکت پیدا کی۔ آپ کے ایک محترم عزیز نواب میر احتشام علی خاں جادو سہسوانی رئیس بڑودہ شاعر اور شعرا کے قدردان و علم دوست تھے، بعض شعرا

ان کے یہاں مدّتوں مقیم رہے۔ شعر وسخن کا بازار گرم رہتا تھا، ان کی بدولت
شہر میں مشاعرے منعقد ہوتے تھے، نوّاب صاحب ممدوح ظہیرؔ دہلوی کے شاگرد
تھے۔ اظہرؔ مرحوم نے اس صحبت سے اپنے ذوق کو بہت کچھ ترقّی دی، اگرچہ آپ کی
طبیعت کا رنگ اور تغزّل کا انداز بالکل اس جلسے سے جدا تھا۔ حکیم محمد رسول صاحب
شیداؔ عرف حکیم چھوٹے صاحب موہانی نامور طبیب ریاست بڑودہ مصاحب اچھے صاحب
خاندان اہلِ علم وفضل سے نہایت شگفتہ مزاج شاعر خوش گو تھے وہ آپ سے
خصوصیّت رکھتے تھے، ان کی ہمہ گیر قابلیّت ورنگین مذاق سے آپ کو ذہنی ترقّی کے
سنجیدہ مواقع ملے اور شاعرانہ ذوق میں رنگینیاں پیدا ہوئیں، وہ بھی لکھنؤ اسکول کے
پختہ کار ماسٹر کی حیثیت رکھتے تھے۔ کاتب ہیچمیرز کو بھی ۱۹۰۱ء میں بڑودہ کا سفر
پیش آیا اور اتّفاق سے وہاں دس ماہ قیام کرنا پڑا، اس زمانہ میں نوّاب صاحب و
حکیم صاحب کی رنگین صحبتوں کا بھی لطف اٹھایا اور ارباب علم وفن سے مجالست رہی۔

کلام پر رائے

زبان کی شستگی، بیان کی سادگی غزل کا جوہر ہے، وہ کلام
اظہرؔ میں مکمّل طور پر موجود ہے۔ چوں کہ طبیعت سلجھی ہوئی پائی
تھی، اس لیے پیچ دار ترکیبوں اور ضعف تالیف وتعقید لفظی ومعنوی سے ہمیشہ
اجتناب کرتے تھے، فارسی ترکیبیں اور ثقیل و وحشی الفاظ نہیں استعمال کرتے تھے۔
قدیم طرز شاعری اور لکھنوی انداز تغزل کے قالب میں اشعار ڈھالتے تھے۔ یہ بھی
جناب امیرؔ کی شاگردی کا اثر ہے۔ رشک ورقابت کے مضامین کلام کا جز ہیں

عامیانہ خیالات اور سوقیانہ معاملات بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں اور یہ لکھنؤ کا قدیم
رنگ ہے جو اب کم ہوتا جاتا ہے۔ زبانِ حال کے انقلابی دور اور فارسی کی
نوتراشیدہ ترکیبات سے طبیعت کو مناسبت نہ تھی، صفائی بیان کے دلدادہ تھے
تاہم استاد کے اتّباع کی وجہ سے غزل میں تاثیر کا جوہر بہت کم ہے۔ جا بجا غزلوں کے
مقطعوں میں امیر کی استادی کا اظہار کیا ہے ؎

پرتوِ حضرتِ مینائی ہے اظہر یہ سب ——— مہرِ انور کی طرح نام ہے روشن ان کا
اظہرا امیر زندہ ہیں اصلاح کے لیے ——— پروا نہیں ہے ناسخ و آتش اگر نہیں

اخیر شعر سے شعرائے لکھنؤ اور ان کے طرزِ تغزل کی طرف رجحانِ طبع
واضح ہے۔ کلام امیر کا کمال بھی شستگی بیان و صفائی تھا اور آپ اس میں ان کے
پختہ کار شاگرد تھے، اس لیے یہ لکھنا بے جا نہیں ہے ؎

سچ تو یہ ہے حال لکھنا کچھ ہمیں پر ختم ہے ——— ہیں غزل گوئی میں اظہر آج کل استاد ہم

میں نے مرحوم کے دیوان پر کم فرصتی کے باعث سرسری نظر ڈالی ہے،
بالاستیعاب دیکھنے کا موقع نہ ملا، اس لیے نقدنگاری کا فرض ادا نہیں ہوسکا۔
تاہم اختصار و اجمال کے ساتھ بعض خصوصیات کا ذکر کرتا ہوں۔ دیوان میں تین
چار نعتیہ غزلیں بھی ہیں جو ذوق و خلوص کا آئینہ ہیں۔ اس کے علاوہ غالباً تین سہرے
ہیں جو مختلف موقعوں پر لکھے ہیں۔ تمام کلام میں سلاست و صفائی کا جوہر موجود ہے

تعقیب | یہ مسلّم ہے کہ صنائع و بدائع محسنات کلام ہیں، لیکن اسی حد تک کہ

کلام میں تکلّف و آورد نہ ہو، ورنہ ان کا استعمال مخل فصاحت ہوتا ہی۔ قدما نے غزل کو اکثر ان کے وجود سے پاک رکھا ہی لیکن متاخّرین خصوصاً اساتذۂ لکھنؤ نے اکثر شعر کی بنیاد طباق و تجنیس و مراعاۃ النظیر پر قائم کی اور مضمون کے عوض ان ہی پر قناعت کی۔ مضامین کو الفاظ کے تابع کیا اور رعایت لفظی میں شعر کو اُلجھا دیا اور فصاحت کلام و شستگی بیان کو خیرباد کہہ کر تاثیر کا جوہر جو غزل کی روح رواں ہی ہاتھ سے کھو دیا۔ یہ بے اعتدالی امیر کے یہاں بھی پائی جاتی ہی۔

اظہر مرحوم بھی اس خارزار میں کبھی کبھی قدم رکھتے ہیں، لیکن، سادگی و صفائیِ بیان کا خیال بھی پیشِ نظر رہتا ہی۔ چنانچہ کہتے ہیں : ؎

اُس طرف، وہ کھڑے ہیں تیغ بکف ... ہم اِدھر، سر جھکائے بیٹھے ہیں
جب سے وہ اُٹھ گیا ہی پہلو سے ... ہاتھ سے دل دبائے بیٹھے ہیں
آہ شبگیر و نالۂ سحری ... اک قیامت اُٹھائے بیٹھے ہیں

ہر روز کھلاتا ہی نیا ایک شگوفہ ... یہ رنگ ترا اے گلِ رعنا نہیں اچھا

شب تم نے خاک چھانی ہی کوچہ کی غیر کے ... مجکو صفائے قلب سے الہام ہو گیا

چلا ہوں ہاتھ دھو کر دین و دنیا کے بکھیڑوں سے ... طوافِ کوے جاناں کس طرح سے بے وضو ہوتا

سادگی و صفائیِ بیان کا اندازہ ذیل کے اشعار سے کرنا چاہیے ؎

نہ ہوتے سامنے میرے اگر نہ تھا منظور ... چھپو نہ بہرِ خدا شکل اب دکھا کے مجھے
بگاڑ آج رقیبوں سے ہو گیا شاید ... جو منّتوں سے لیے جاتے ہو منا کے مجھے

اب کوئی بات پوچھنے والا نہیں رہا — تم کیا خفا ہوئے کہ اجل بھی خفا ہوئی

یہ بن سنور کے آج کہاں جا رہے ہیں آپ — کہیے تو کس غریب کی قسمت رسا ہوئی

آخری اشعار اس غزل کے ہیں جو مشاعرے میں اپنے مکان پر پڑھی تھی۔ جنوری ۱۹۱۸ء میں میں بھی اس مشاعرہ میں شریک ہوا تھا اور غزل پڑھی تھی جس کے دو شعر یاد ہیں یہاں لکھتا ہوں ؎

جس دل سے سیکھ کر وہ نظر فتنہ زا ہوئی — کیا لطف ہے اسی پہ قیامت بپا ہوئی

سو بار منہ تک آیا کلیجہ شب فراق — ہر آہ اس ضعیف کے حق میں ادا ہوئی

دیوان میں ایک مشکل ردیف و قافیہ میں بھی غزل ہے جس سے فکر کی موشگافی ظاہر ہوتی ہے۔ تذکیر و تانیث کے اجتماع نے زمین کو اور بھی سنگلاخ بنا دیا ہے ؎

بنایا ہے اگر قلب بت بے پیر پتھر کا — دل عاشق بھی کر دے مالک تقدیر پتھر کا

میں ہوں اک سنگدل کی زلف پرخم کا جو دیوانہ — عوض آہن کے ہو ہر حلقۂ زنجیر پتھر کا

ترے دل میں اثر ہوتا نہیں کیوں سنگدل ورنہ — جگر شق کرتا ہے یہ نالۂ شبگیر پتھر کا

غزل میں پندرہ شعر ہیں یہ ظاہر ہے کہ ایسی طرحیں امتحانی ہوا کرتی ہیں۔ ان میں فکر کا بے جا صرف ہوتا ہے۔ موثر و دل کش اشعار نہیں نکل سکتے۔ اس لیے خود بہ طور معذرت مقطع میں کہا ہے ؎

زمین سنگلاخ حضرت فرخ ہیں اے اظہر
نہیں بندھتا کوئی مضموں کسی تدبیر پتھر کا

معلوم ہُوا کہ غزل تعمیل فرمائش ہے عجیب اتفاق ہے کہ وطن میں جس طرح مجھے اور اُن مرحوم کو ہم طرح غزلیں لکھنے کا اتفاق ہوتا تھا، اسی طرح غیبت میں بھی یہی اتفاق پیش آیا۔ مرحوم کے دیوان میں آخری غزل اسی وزن و ردیف و قافیہ میں مندرج پائی گئی، جس میں کاتب الحروف نے کچھ دنوں پہلے یہاں فیض آباد میں لکھی ہے۔ چند شعر آپ کے درج ذیل ہیں ؎

دن کاٹنے فراق کے دشوار ہوگئے
آ، اے اجل! کہ زیست سے بیزار ہوگئے

مصرع ثانی ایک غیبی الہام ہے جو دعا کی صورت میں قلم سے نکلا تھا اسی کو سچی پیشین گوئی کہا جاتا ہے ؎

کہتے ہوئے یہ میری عیادت کو آئے ہیں
قسمت کھلی تمھاری کہ بیمار ہوگئے

تیر ان کے دل میں رہتے تو کچھ دل لگی بھی تھی
یہ کیا ہُوا کہ دل کے مرے پار ہوگئے

اظہر ہمارے ناز کے پالے دل و جگر
پامالِ گردشِ نگہِ یار ہوگئے

نامہ نگار معجز کے خیالاتِ پریشان کا نمونہ یہ ہے ؎

ناکامیوں نے راہِ طلب کی تھکا دیا
فکرِ کشودِ کار میں بے کار ہوگئے

تقلیدِ قیس و دشت نوردی، جنون ہے
ہم اُس گلی میں نقش بدیوار ہوگئے

ان کا نہیں قصور خطا، جذبِ دل کی ہے
کچھ تیر سینہ میں رہے کچھ پار ہوگئے

مرحوم کے یہاں سنجیدہ و برجستہ اشعار کی بھی کمی نہیں ہے۔ فصاحت

بدرجۂ اتم موجود ہے۔ مثلاً ؎

قبر میں بھی کوئی تسکین کا پہلو نہ ہوا
مرکے بھی اس دلِ بے تاب پہ قابو نہ ہوا

بڑے باخدا آپ ہیں شیخ صاحب — ملے وہ صنم یہ دعا کیجیے گا

نگہِ شوق کی اس رخنہ گری کے صدقے — وہ نظر آتا ہے جلوہ پسِ چلمن ان کا

مری چپ کا زمانے بھر میں ہے شورہ — خموشی پہنچی ہے حدِ فغاں تک

آنسو آنکھوں میں جو آتے ہیں تو پی جاتا ہوں
ہو کے لبریز چھلکتا نہیں ساغر میرا

شاعری آپ کی ایک دل لگی کا مشغلہ تھا، اس میں خاص انہماک نہ تھا بلکہ زیادہ تر احباب کی تحریکات کا نتیجہ ہے۔ کلام کی مختصر مقدار بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

یکم جنوری ۱۹۳۹ء

سید اعجاز احمد معجز سہسوانی

قطعات تاریخ وفات

جناب خان بہادر سید اظہر علی مرحوم اسسٹنٹ کلکٹر و اسپشل مجسٹریٹ درجہ اول و رئیس اعظم سہسوان

از جناب مرزا عبدالجمیل بیگ صاحب آثرؔ سہسوانی

سید اظہر علی پاکیزہ طینت، نیک خو — پاک باز و پاک نیت، پاک دل مرد خدا

چل دیئے ملک عدم کو آہ وہ یکبارگی — رہ گئے روتے ہوئے سارے اعزا اقربا

ہستی باجود اس کی سہسواں میں ایک تھی — اس کے مرنے سے ہوا ہی خاتمہ اخلاق کا

لکھ دیا کلک آثر نے فکر میں تاریخ کے — اے خدا تو بخش دے۔ یہ مادہ ہی دعا

۱۹۳۸ء

از جناب سید عبدالقیوم صاحب آزاد

میر اظہر علی خجستہ خصال — تم پہ نازل خدا کی رحمت ہو

ہو رہی ہے جو کچھ تمہارے بغیر — کس طرح سے بیاں وہ حالت ہو

عیش دنیا میں جو اٹھائے تھے — اس سے زائد نصیب راحت ہو

سال رحلت کی فکر تھی مجھ کو — تاکہ تحریر لوح تربت ہو

مژدہ رضواں نے یہ دیا آزاد　　مالکِ عیشِ باغِ جنت ہو

۱۹۳۸ء

از جناب مفتی سید اشتیاق احمد صاحب اشتیاق سہسوانی

وفاتِ سیدِ اظہر علی سے　　تہ و بالا ہوا ہے اک زمانہ
کہوں کیا ان کی ناسازی کا احوال　　مرض کیا موت کا تھا اک بہانہ
یہ لکھا اشتیاقِ غمزدہ نے　　گئے اظہر جناں کو جاودانہ

۱۳۵۷ھ

از جناب مولوی سید ابو العلاء ناظر احمد صاحب افسوں سہسوانی

اظہرِ نکتہ سنج نیک نہاد　　گوہرِ درجِ دانش و ادراک
با مروت رئیس عالی جاہ　　صیتِ او برشد از سمک بہ سماک
مایۂ افتخارِ اہلِ وطن　　پیشِ او چرخ سر نہاد بخاک
حسنِ خلقش گرفتہ عالم را　　پائے عزت رساند بر افلاک
جاں بجاں آفریں سپرد و نمود　　یک جہاں در غمش گریباں چاک
زد رقم سالِ رحلتش افسوں　　جائے اظہر علی جنانِ پاک

۱۳۵۷ھ

دیگر عربی

خطبٌ الم مفاجئاً　　بوفاۃِ من لحق الکراما

اظہر علی بمکارم الا | خلاقِ قد فاق الانام
فکرت فی تاریخہ | فسمعت من غیبٍ کلاما
اِن شئت عام وفاتہٖ | قل - اظہر فاز السلاما

۱۳۵۷ھ

دیگر عربی

اوجعتنی اذا نت داھیہ | جاءت بہا من لکھنو ناعیہ
قالت مضی اظہر علی قاضیاً | یالیتہا کانت ھی القاضیہ
نالت مقامات العلیٰ روحہ | وادخلت فی جنۃٍ عالیہ
فقلت لو ارّخنتی روحہ | قالت - انا فی عیشۃٍ راضیہ

۱۹۳۸ء

از جناب نوّاب سیّد امین الدین حسن صاحب کلکٹر خویش خان بہادر مرحوم

جب گئے خان بہادر لکھنؤ سے خلد کو | اپنوں بیگانوں میں اس کا غم ہوا چرچا ہوا
میں نے اُن کی موت کی تاریخ یہ لکھی آہ میں | سایۂ طوبیٰ ملا جنت میں خوب اچھا ہوا

۱۳۵۷ھ

از جناب سیّد انور علی صاحب تحصیلدار پنشنر برادر خرد

اے برادر شفیق اے مرحوم | کس طرح ہو بیان حالت کا
جو گزرتی ہے آپ کے غم میں | کیسے اظہار ہو حقیقت کا

کیا مقدر میں یہ ہی لکھا تھا
رنج جھیلوں تو رنج فرقت کا

فکرِ تعلیم و شادی فرزند
کوئی موقع تھا یہ بھی رخصت کا

جی کسی کام پر نہیں لگتا
دل پہ بیٹھا ہی اس طرح دہشت کا

مل کے روتا ہوں لڑکیوں سے کبھی
اقتضا ہی یہ میری فطرت کا

گہ محمد علی سے ہنستا ہوں
مقتضٰی جب کہ ہو طبیعت کا

اب کوئی بھی نظر نہیں آتا
باندھنے والا میری ہمت کا

کون ہی اب جہانِ فانی میں
کرنے والا مجھے نصیحت کا

زندہ درگور کر گئے مجھ کو
کیا یہ بدلا تھا مجھ سے اُلفت کا

اچھے کھانے کا اب نہیں ہی خیال
شوق ہی اب نہ زیب و زینت کا

کر دیا ہی غموں نے زار و نزار
اب نہیں کچھ خیال کلفت کا

سر پہ تھا جب کہ آپ کا سایہ
وہ زمانہ تھا عیش و عشرت کا

کون ہی اب خیال ہو جس کو
میرے آرام میری راحت کا

کچھ نہیں تھا بعید شفقت سے
ٹال دیتے جو وقت رحلت کا

چھوڑ جاتے نہ اس طرح مجھ کو
پاس کرتے مری محبت کا

میں کروں اب بیان کس کس کا
عشق فطری کا یا کہ شفقت کا

مختصر اے برادرِ مرحوم
نقش دل پہ ہی مہر عنایت کا

اب جو شکوہ کروں تو کس سے کروں
پیرِ گردوں کی اس شرارت کا

تم کو مجھ سے جدا کیا ہے ہے ‌ ‌ ‌ گو ہے موقع بڑا شکایت کا
خواب میں ایک رات وقتِ سحر ‌ ‌ ‌ میں نے پوچھا جو حال حضرت کا
ہنس کے رضواں نے یہ کہا انوؔر ‌ ‌ ‌ ہو نو ید عیش باغ جنت کا

۱۹۳۸ء

از جناب ڈاکٹر رام بہادر صاحب ایم۔ ڈی

محترم خان بہادر خلد کو ‌ ‌ ‌ سہسواں سے جس گھڑی رخصت ہوئے
لکھ دیا دل سے بہادرؔ نے یہ سال ‌ ‌ ‌ داخلِ گہوارۂ جنت ہوئے

۱۳۵۷ھ

از جناب سیّد محمود علی صاحب بیکل سہسوانی

سہسوان میں مرگ اظہر علی سے ‌ ‌ ‌ جگر کردیے ہیں عزیزوں کے چاک
پئے سالِ تاریخ ہاتف سے بیکلؔ ‌ ‌ ‌ کہا یہ کہ۔ ہیں داخلِ خلد پاک

۱۳۵۷ھ

از جناب سیّد وصی احمد صاحب تاؔئب سہسوانی ڈرائنگ ایکسپرٹ (لندن)

۶۰ ستم ہے کہ اہل سہسوان سے ‌ ‌ ‌ ۸۰ فلک نے یہ چھاتی پہ کودوں دلی
۲ بپا شور محشر ہوا چار سو ‌ ‌ ‌ + ہر اک کو غضب کی ہوئی بیکلی
۲۰ کہیں آہ و نالہ کہیں ہائے ہائے ‌ ‌ ‌ + ہے اک شور ماتم گلی در گلی
۶ وہ ذی جاہ و ذی رتبہ و ذی حشم ‌ ‌ ‌ + وہ عالی ہمم میر اظہر علی

۲۰ گئے آج دنیا سے ملکِ عدم ۲ پڑی شہر و قصبہ میں اک کھلبلی

۶ وہ عالم وہ فاضل و شاعر ادیب × وہ عابد وہ زاہد تھے مثلِ ولی

۴۰ موحد تھے مومن تھے پابندِ دیں ۵۰ نہ کرتے تھے شرکِ خفی و جلی

۶ وقار و وجاہت تھے رخ پر نثار ۲ بدن کی تھی سانچہ میں کل کل ڈھلی

۱۰۰۰ غضب کی تھی شیرینیٔ گفتار میں ۷ زبان منہ میں مصری کی تھی اک ڈلی

۱۰ یقینی وہ اک خادمِ قوم تھے وہ یہ بیل تھی جو کہ پھولی پھلی

۵۰ نہ تھی تابِ ہجرِ عدم رفتگاں ۴۰۰ تو مرجھا گئی دل کی نازک کلی

۶ وہ پلٹی نہ پلٹے گی اب تا بہ حشر ۶۰۰ خرابے سے کچھ دھوپ ایسی ڈھلی

۱۰ یہ جاں کاہ صدمہ ہے سوہانِ روح ۱۰۰ قیامت کی شمشیرِ فرقت چلی

۲۰۰ رقم کیسے ہو داستانِ الم ۱۰۰ قلم کی بھی دل پر چھری جب چلی

۲ بہت کچھ بھی تاریخ کی فکر کی مگر دال بالکل نہ اپنی گلی

۲۰۰ رہا بحرِ افکار میں غرق دل ۳ جو تدبیر کی وہ نہ مطلق چلی

۱۰ یکایک ندا غیب سے آگئی سُنی تو لہو بڑھ گیا دو پلی

۱۰ یہ تاریخ تائب مسمّٰی ہوئی .. ہیں جنت میں صاحب با ظہر علی

۱۹۳۸ء

۴۰ مکرر بہشتِ بریں کر رقم ۳ جو تاریخ دو میں کی ہو بھلی

۹۶۶ - ۲

۱۰ یہ تاریخ سو میں کی تدبیر ہے اگرچہ تمنا ہے تیری بھلی

۲۰۰ رقم مصرعوں کی ہوں پہلی حروف کہ تاریخ سو میں بھی ہو منجلی

۳۰ لکھ ایسے ہی دو ہیں کے منقوط کو ۱۰ یہ تاریخ ہجری ہوئی پس حلی

۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء

ازجناب سیّد عبدالرّب صاحب تشنہ بن مولوی سیّد اقتدار احمد صاحب ساحر سہسوانی

زدنیائے دوں چوں بہ فردوسِ جنت فروکش بشد میر اظہر علی

پئے سالِ تاریخ تشنہ نوشتم بارست زہ رحمتِ ایزدی

۱۳۵۷ھ

ازجناب حافظ سیّد عبدالملک صاحب تفتہ بن مولوی سیّد اقتدار احمد صاحب ساحر سہسوانی

ازجہانِ بے بقا رحلت نمود صاحبِ اخلاق و اوصاف جلی

آہ تفتہ شد غم او دل نشیں چوں رواں مابین عصب و مفصلی

از قلق چوں سر فگندم سال شد داد حق جنت بہ میر اظہر علی

۱۹۳۸ء

ازجناب سیّد تہذیب احمد صاحب تہذیب سہسوانی

میر اظہر علی ستودہ سیر آں کہ شد نامور بہ نصرتِ حق

باہمہ ثروت و ریاست و جاہ بود ہموارہ محو طاعتِ حق

بست رخت سفر زدارِ فنا نہ بود چارہ از مشیّتِ حق

گفت تہذیب سال رحلتِ او — دائم اندر کنار رحمت حق

۱۳۵۷ھ

از جناب منشی اماں شنکر صاحب جوشؔ

میر اظہر علی امیر و رئیس — ظاہر اسو رہے ہیں تربت میں
سچ تو یہ ہے کہ نیک بختی سے — چھپ گئے ہیں خدا کی رحمت میں
اُن کے مرنے کی جوشؔ ہے تاریخ — ہیں وہ - اب عیش باغ جنت میں

۱۹۳۸ء

از جناب حکیم سید احمد صاحب عباسی حاذقؔ سہسوانی

غمِ مرگ اظہر علی کیا رقم ہو — ہے سینہ فگار آہ دل چور اب
کہا مصرعۂ سالِ رحلت یہ حاذقؔ — ہیں مرحوم مغفور ما جور اب

۱۹۳۸ء

از جناب حبیب احمد خاں صاحب حبیبؔ سہسوانی میونسپل کمشنر

ہوئی میر اظہر علی کی وفات — رئیسوں میں ایسے کہاں نیک خو
کہی میں نے تاریخ رحلت حبیبؔ — جناں کو گئے اظہر کام جو

۱۳۵۷ھ

از جناب سید محمد حسن صاحب خویش خاں بہادر مرحوم)

کس طرح ہو بیان غمِ جاں گداز کا — ہم کروٹیں بدلتے ہیں پڑتی نہیں ہے کل
نکلی سر بہشت سے تاریخ اے حسنؔ — خلدِ بریں میں قبلہ و کعبہ ہیں آج کل

۱۳۵۷ھ

ازجناب سیّد حشمت علی صاحب بی اے علیگ سہسوانی
برادر زادہ خان بہادر مرحوم

وطن میں جو تھا گوہرِ بے بہا — کہاں اُس کو ڈھونڈیں کدھر کھو گیا
سنا جس کسی نے بھی مرنے کا حال — وہ پاس آ کے فائق کے خوں رو گیا
جو راتوں کو جاگا تھا یادِ خدا میں — وہ اب گوشۂ قبر میں سو گیا
لکھی میں نے تاریخ حشمت علی — چراغِ اُمید آہ گل ہو گیا

۱۳۵۷ھ

ازجناب اظہر علی خاں صاحب حقیر سہسوانی

اظہر علی خان بہادر خدا پرست — دولت میں تھے امیر طبیعت سے تھے فقیر
تاریخ عیسوی یہ لکھی اُن کے موت کی — بے وجہ گل چراغِ مروّت ہوا حقیر

۱۹۳۸ء

ازجناب حکیم سیّد رئیس احمد صاحب حیرت سہسوانی

صاحبِ اوصاف و خوبی سیّد اظہر علی — نیکی و اخلاق کا چرچا تھا جن کے جا بجا
دفعۃً ملکِ عدم کو وہ روانہ ہو گئے — کیا بتائیں سب کے دل پر کیا اثر اس سے ہوا
فیصلہ کرنا تھا کوئی مردِ عاقل کو وہاں — یوں چلے جانے کا ورنہ اُن کے یہ کیا وقت تھا
جانتے تھے زندگی کو ایک شے ہی مستعار — ساز و سامانِ خلد کا جو کچھ تھا امکان میں کیا
تھا ابھی حیرت ہی میں حیرت کہ یہ بولا سروش — آستاں ہو جنت الفردوس - یہ کیجے دعا

۱۳۵۷ھ

از جناب سیّد رفیق احمد صاحب سہسوانی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس

خواہر زادۂ خان بہادر مرحوم

چھوڑ کر ہم سب کو جب ماموں میاں
عرش پر اللہ سے واصل ہوئے

سال اُن کے وصل کا لکھا رفیقؔ
جنّتِ یزداں میں وہ داخل ہوئے

۱۳۵۷ھ

از جناب مولوی سیّد اقتدار احمد صاحب ساحرؔ سہسوانی ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

آہ خ آہ خ نازشِ ہندوستاں
یعنی اے جنت نشاں، اے سہسواں

ہاں کبھی تو ہی تو مردم خیز تھا
تھے تجھی میں گوہر یکتا نہاں

سب سے پہلے ہند میں شمس العلوم
تیرے ہی ذرّہ سے تھا جلوہ کناں

ناثر و ناظم ادیب و فلسفی
شاعرِ شیریں زباں معجز بیاں

عالم و فاضل محدّث اور فقیہ
صاحبِ سیف و قلم فخرِ زماں

عامل و کامل مہندس اور طبیب
منشی و کاتب مقرّر، نکتہ داں

الغرض کیا کیا نہ وہ اہلِ کمال
دہر میں روشن ہیں جن کی خوبیاں

الغرض کیا کیا نہ ماہ و مہرِ فضل
تجھ سے اُٹھ کر ہو گئے تجھ میں نہاں

حیف اور صد حیف وہ تیرا چمن
ایک دم میں ہو گیا نذرِ خزاں

وہ چمن ہے اب نہ وہ بوئے چمن
بوستاں ہے اب نہ رنگِ بوستاں

غنچہ و گل کا نہیں اب نام بھی | گر پڑی جو یک بہ یک برقِ تپاں
اب نہ وہ ہم ہیں نہ اُن کی یادگار | یہ زمیں اور ظلم یہ اے آسماں
یہ ستم ہی اور بلائے ستم | جانشیں کوئی نہیں تا لامکاں
دورِ آخر کا وہ قطرہ آخری | محتسب نے جس کو پھینکا ناگہاں
اعنی حضرت سید اظہر علی | نازشِ اقران و فخرِ خانماں
صاحبِ عادات و اخلاقِ نکو | صاحبِ دولت رئیسِ سہسواں
وہ شریف النفس اور وہ بردبار | ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں اب کہاں
وہ موحّد پیروِ شرعِ مبیں | شرک و بدعت سے گریزاں و دواں
وہ محبّت وہ مروّت وہ لحاظ | جس کے ہیں اہلِ وطن سب مدح خواں
معتمد وہ صاحبِ فصلِ خطاب | صاحبِ اعزاز و عالی خانداں
ہوں بیاں کیا اُن کے اوصافِ نکو | ناثر و ناظم طبیبِ خوش بیاں
سربلند و سرفراز و منکسر | منشی و حاکم سپہ گر پہلواں
باخبر باہُش و دانا ہوشیار | ماہرِ فنِ سیاست نکتہ داں
عالمِ فانی کو کہہ کر الوداع | کر لیا عزمِ جہانِ جاوداں
اُس گلِ خوش بو کو صرصر لے گئی | جس کو سمجھے تھے بہارِ بے خزاں
دوست اور احباب جملہ اشکبار | دختر و فرزند غم سے نیم جاں
خواہر و خویش و برادر سب کے سب | ہو رہے ہیں مبتلائے امتحاں

خوبیاں مرحوم کی کر کر کے یاد — جملہ احباب و اقارب نوحہ خواں

نام لے لے کے روتے ہیں اہلِ وطن — ہر زباں پر ہے یہ غم کی داستاں

آج غربت میں ہیں سب اہلِ وطن — جب نہیں کوئی وطن میں مہرباں

تا بکے ساحر یہ رونا روئے گا — اس سے کیا ہو گی تلافیِ زیاں

رات دن نازل ہوں اُس پر رحمتیں — اُس کی منزل ہو خدا دار الجناں

اُس پہ ہو مہرِ شفیع المذنبیں — اُس پہ ہو فضلِ خدائے بے چگاں

مختصر یہ ہے مرے دل میں خیال — عیسوی تاریخ کا جو تھا نہاں

پوچھا رضواں سے تو بولا خلد میں

شاد ہیں اظہر رئیسِ سہسواں

۱۹۳۸ء

دیگر

سہسوان میں میر اظہر علی کا — زمانہ تھا گرویدہ خلقِ نکو سے

بسر عمر کی خوب دنیائے دوں میں — بڑی عزت و شان سے آبرو سے

نہ کی معذرت کچھ پیامِ قضا پر — کہ بے شبہ مجبور تھے اپنی خو سے

یہ ساحر نے تاریخ رحلت کی لکھی

گئے خلد کو یک بہ یک لکھنؤ سے

۱۳۵۷ھ

از جناب منشی چودھری فضیل احمد صاحب سائل سہسوانی

سہسواں میں ہے اُداسی چار سو چھائی ہوئی
جس کو دیکھو ہے وہ غمگین و ملول و سوگوار

ہے ہر اک طفل و جوان و پیر کی حالت سقیم
لب پہ آہ و نالہ دل میں درد آنکھیں اشک بار

دیدۂ نرگس ہے حیراں دم بخود سروِ چمن
ہے پریشاں سنبل اور ہر ایک گل سینہ فگار

برگ مرجھائے ہوئے کلیاں ہیں کمھلائی ہوئی
ہے گلستاں کی زبوں حالی پہ شبنم اشک بار

کیوں نہ ہو اندوہ سامانی و اظہارِ ملال
کیوں نہ ہو رنج و غم و درد و الم سے دل فگار

آج دنیا سے سدھارے سیدِ اظہر علی
ہیں اسی سے سہسواں تا لکھنؤ سب بے قرار

لے گئے تھے لکھنؤ تشریف از بہرِ علاج
آیا ترتیبِ عناصر میں وہیں پہ انتشار

جلد بازی سے لیا پیکِ اجل نے کام آہ
آپ کے بے وقت مر جانے سے ہیں سب اشک بار

ہو کریم النفس یوں آپ کے کیوں کر بیاں
ہیں محاسن اور اوصافِ حمیدہ بے شمار

عدل پرور، رحم دل، شیریں زباں ہر دل عزیز
فیض بخشِ عام عفو و درگزر ان کا شعار

اختیارات ان کو حاصل درجۂ اوّل کے تھے
تھے خطابات اور اعزازات کے سرمایہ دار

کسرِ نفسی، بردباری، تھی طبیعت میں بہت
آپ سب کے دوست تھے، سب آپ کے تھے دوستدار

آپ کے پسماندگاں کو کر عطا صبرِ جمیل
اور دے نعم البدل ان کا ہمیں پروردگار

تھا بہت ہی صدمۂ جاں کاہ مرگِ ناگہاں
مصرعۂ تاریخ سائل نے کہا بے اختیار

موت کے دستِ ستم سے بے سر و پا رہ گئے
علم و ہوش و فیض و رفق و رشد و فضل و انکسار

۳۰+۲+ ، +۰+۳۰۰+۸۰۰+۱۳۱-۱۳۵۷ھ

از جناب سیّد سرور علی صاحب سرور چیرمین میونسپل بورڈ سہسوان
برادر زادہ خان بہادر مرحوم

لاریب قیامتے ست برپا	در خلق ز انتقالِ اظہر
شد سینۂ شیخ و شاب مجروح	از صدمۂ ارتحالِ اظہر
سرور سنِ رحلتش برآورد	از سانحۂ وصالِ اظہر

۱۳۵۷ھ

از جناب سیّد سعید احمد صاحب سعید سہسوانی

جناب سیّد اظہر علی چچا میرے	خدا کو سونپ کے گھر میہماں خدا کے ہوئے
نہ کچھ حساب کا کھٹکا، نہ کچھ گرفت کا خوف	ہر ایک فکر سے بےغم نجات پاکے ہوئے
لکھی سعید یہ تاریخ سالِ غم میں نے	کہ ـ کامیاب حضوریٔ جناں میں جاکے ہوئے

۱۳۵۷ھ

از جناب میر شہزاد علی صاحب شہزاد سہسوانی

اظہر علی وہ میرے بڑے بھائی ذی وقار	کیا شادماں ہیں رحمتِ رب کے حصول سے
خوش ہو رہے ہیں دیکھ کے جنت میں کامیاب	اعمالِ مخلصانہ کو حسنِ قبول سے
ان کی جدائی اپنوں سے پھر وہ بھی ایسی	آہوں کے شعلے اٹھتے ہیں قلبِ ملول سے
اندھیر ہی کہ پیشتر از وقت اے فلک	نجم حیات ان کا قریں ہوا افول سے

شہزاد کی دعا ہے یہ تاریخ سالِ غم — ہوں بہرہ ور جناں میں وہ قربِ رسول سے

۱۳۵۷ھ

از جناب سید طاہر علی صاحب طاہر متعلم سٹی اسکول علی گڑھ برادر زادہ خان بہادر مرحوم

رحلت نمود حضرتِ والا چو زیں جہاں — دل داغ داغ گشت و سینہ فگارِ غم

طاہر چو دید، نیست بہ تاریخ احتیاج — بر دل نوشتہ است۔ غمِ عمِ محترم

۱۹۳۸ء

از جناب سید محمد عالم صاحب علیگ بی اے، ایل ایل بی سہسوانی المتخلص بہ عالم

اظہر نیک منش عالی قدر — حیف زیں دارِ فنا کرد سفر

سال تاریخ نوشتہ عالم — بجناں رخت گزیدہ اظہر

۱۹۳۸ء

از جناب حکیم سید عقیل احمد صاحب عقیل سہسوانی

جناب سید اظہر علی تھے — مجلّٰی حلیۂ لطف و کرم سے

ہی کتنی روح فرسا موت ان کی — کہ بیٹھے جاتے ہیں دل فرطِ غم سے

حقیقت ہی یہی سچ پوچھئے تو — تھی رونق سہسواں کی ان کے دم سے

عقیل اظہارِ سالِ رد و غم میں — دعا ہی اب تو ہو سکتی ہے ہم سے

کہیں پائے ادب آگے بڑھا کر — الٰہی بخش دے اپنے کرم سے

+۲ — ۱۳۵۵ = ۱۳۵۷ھ

دیگر

میر اظہر علی ز دار فنا — سوئے جنت چو رخت رحلت بست
سال ہجری نوشت کلکِ عقیل — للہ الحمد سوئے جنت رفت

۱۳۵۷ھ

از جناب سیّد رضی احمد صاحب سہسوانی رئیس عیارؔ تخلّص

آہ اظہر علی ستودہ صفات — پیروِ سنّتِ رسولِ امیں
دولت و ثروت و حکومت میں — پائے بندِ طریق شرعِ مبیں
سہسواں سے گئے تھے بہرِ علاج — لکھنؤ میں ہوئے سپردِ زمیں
خوبیاں تھیں وہ تم میں اے مرحوم — تم کو روتا ہے ہر کہین و مہیں
ہو گیا سہسوان بے رونق — کوئی تم جیسا اب وطن میں نہیں
دہرِ فانی میں اب نہ پائے گا — لاکھ ڈھونڈھے تمھیں کوئی بھی کہیں
تھا نہایت ہی حادثہ جاں کاہ — دل کو ہرگز ہوا نہ سن کے یقیں
آخر کار ہو گیا ثابت — ہو گئے لامکاں میں جا کے مکیں
سہسواں سے بدایوں کو تھے گئے — تاکہ پائے سکون قلبِ حزیں

پھر بدایوں سے لکھنؤ کو گئے
مرگئے لکھنؤ سے خلدِ بریں

۱۳۵۷ھ

از جناب میر محمد علی صاحب فائقؔ خلف الصدق حضرت خان بہادر ممدوح رحمۃ اللہ علیہ

دریغا سر سے اُٹھا والدِ مرحوم کا سایہ — ہوا رنج و مصیبت کا بپا طوفان وا ویلا

ہمارا عیش کیوں کھٹکا نظر میں اے فلک تیری — بگاڑا ہم کو تجھ نے ہم نے تیرا کیا بگاڑا تھا

بھلا نیرنگیِ چرخِ ستمگر کی کوئی حد ہے — غضب ہے ایسے مشفق باپ کا یوں سر سے اُٹھ جانا

عبث ہمدرد ہم صبر کی تلقین کرتے ہیں — اُسے کیا صبر آئے دل ہی قابو میں نہ ہو جس کا

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہاں جائیں کدھر ڈھونڈیں — اِدھر گھر میں اندھیرا ہے اُدھر کوٹھی میں سناٹا

تھی بے شک آپ ہی کے دم سے گھر بار کی سب رونق — نہیں آپ تو ویراں نظر آنے لگی دنیا

یہ مانا سیرِ جنّت کی تمنّا تھی بہت لیکن — یہاں بھی تو ضروری تھا ابھی کچھ عرصہ تک رہنا

نہ روکا اس سفر سے آپ کو ہم سب کی الفت نے — گئے ایسے کسی سے کچھ تعلّق ہی نہ تھا گویا

بہت سے کام ادھورے رہ گئے اور ناتمام ایسے — کہ اب اُن کا لگائے گا خدا ہی پار تھل بیڑا

مری تعلیم کی بھی فکر دامن گیر رہتی تھی — یہ خواہش تھی کہ ہو تعلیم اچھی تربیت اعلیٰ

سہارا آپ ہی کی ذات کا تھا سب کچھ گھر بھر میں — مگر یہ کیا ہوا جو اب کسی کی بھی نہیں پروا

نرالی تھیں ادائیں آپ کی مہر و محبت کی — کریں اب ناز ہم کس پر وہ دلجوئی ہوئی عنقا

بہت کچھ آرزوئیں دل کی دل میں رہ گئیں باقی — خبر کیا تھی کہ حملہ ہو گا مرگِ ناگہانی کا

یہ فرقت کیوں ہے؟ کس پر غصہ ہے؟ کس سے ہوئے ناخوش؟ — دکھایا خواب میں بھی تو نہ آ کر چہرۂ زیبا

کوئی گریاں، کوئی حیرت زدہ، ساکت کوئی پرغم
ذرا دیکھیں تو آ کر آپ اب گھر کا ہے کیا نقشا

خدا اب صبر دے ہم کو اس اندوہ و مصیبت میں
وہی ہے بے کسوں اور غمزدوں کا والی و مولیٰ

لکھا تاریخِ رحلت کے لیے مصرع یہ فائقؔ نے
جوارِ رحمتِ باقی میں پایا مسکنِ اعلا

۱۳۵۷ھ

از جناب نواب ڈاکٹر سید فخر الدین حسن صاحب رئیس بڑودہ

گو گئے خان بہادر خلد میں
دل سے اُن کا غم مگر جاتا نہیں

فخرؔ ہِ آہ سے تاریخ ہے
دہرِ فانی سے گئے خلدِ بریں

۱۳۵۷ھ

از جناب حکیم سید عبد القوی صاحب قوی سہسوانی

بہ دار البقا شد چو اظہر ز دنیا
دل از حزن و رنج و قلق ممتلی شد

پئے سالِ رحلت رقم زد قویؔ
کہ فردوس ایوانِ اظہر علی شد

۱۹۳۸ء

از جناب نواب اشتیاق علی خاں صاحب مشتاق سہسوانی

سیدِ والا گہر اظہر علیِ نیک ذات
جس کی رحلت سے ہے دنیائے سہسواں کو ملال

مصرعۂ تاریخِ رحلت یہ لکھا مشتاقؔ نے
جنت الفردوس میں لاریب ہیں آسودہ حال

۱۳۵۷ھ

از جناب حکیم مولوی ابوالکمال سید اعجاز احمد صاحب معجز سہسوانی

وناعٍ بفقد الحبیب رمی — بسہمٍ اصاب ولم یمھلِ

فنفسی کادت تموت شجیً — واظلم دھری لا ینجلی

سقی اللہ جدثاً ثوی فیہ من — اقام دعائم مجدٍ علی

تیسّر حلّ العقود لہٗ — فکلّ خفیٍّ لدیہ جلی

فعاش اخا ثقۃٍ واتّجی — حمیماً صدیقاً اخ الودّ لی

کریم الشمائل حلو المقا — لِ راقی العلی النابہ العدملی

جزی اللہ خیراً وعنہ عفا — وانزلہٗ اکرم المنزلِ

ھُدیتُ لعام الوفاۃ اذا — سمعت۔ لقد جدّ اظہر علی

۱۳۵۷ھ

از جناب ڈاکٹر نبی احمد صاحب نشتر سہسوانی

نامور خان بہادر سید اظہر علی — ہو گئے عالم سے رخصت کر کے جب عزم جناں

بن گیا ~~نظر لقا~~ ان کے لیے خود ان کا شوق — ہم ہی کے واسطے کیا کم تھا پھر جزم جناں

نشتر محزوں نے لکھا سال تاریخ وصال — راحت جانِ جہاں ہی زینت بزم جناں

۱۳۵۷ھ

از جناب حکیم ماسٹر سید نفیس احمد صاحب نفیس سہسوانی

جناب سید اظہر علی ستودہ صفات — وحید عصر تھے اخلاق میں طبیعت میں

بُری جگہ ہی مُسلّم ہی یہ جہانِ خراب
ٹھہرتے کیوں وہ پھر ایسے مقامِ ظلمت میں

نفیسؔ یہ لبِ اُمّید سے دعا نکلی
جگہ ملے اُسے یارب جوارِ رحمت میں

۱- ۱۳۵۶ — ۱۳۵۷ھ

از جناب مولوی منشی شاکر حسین صاحب نکہتؔ سہسوانی

کب تک ہم اور تیرے مظالم یہ اے فلک
سینہ ہی داغ داغ غمِ حادثات سے

مبنی ہی جور و ظلم پہ جو تیرا فعل ہی
ہی آشکار طرزِ جفا بات بات سے

کیا کم تھے روز مرّہ کے آزار بے سبب
محروم اب ہوئے جو نشاطِ حیات سے

ہوتا ہی یہ نہیں ستم آرا سیاہ کار
تو اور چوک جائے کبھی اپنی گھات سے

فردِ زمانہ سیّد اظہر علی کہ تھے
ہر گونہ متّصف ملکوتی صفات سے

غربت میں ان کی موت ہی کس درجہ جاں خراش
اُکھڑے ہیں پاؤں ضبط کے راہِ ثبات سے

کیا فتنہ حشر کا ہی فراق ان کا اے خدا
لاکھوں بلائیں ٹوٹ پڑیں شش جہات سے

رو رو کے کھوئے ڈالتے ہیں آنکھیں اقربا
سینے ہیں شق عزیزوں کے اس واردات سے

دنیا کو کر کے اپنے غم و رنج میں اسیر
اچھے چھٹے وہ رنج و غمِ کائنات سے

یوں رہ پڑیں گے غیروں میں جا کر وطن سے دور
اپنوں کو یہ اُمّید نہ تھی ان کی ذات سے

شوقِ مشاہدہ ہی اُڑا لے گیا نہ ہو
محروم ورنہ یاں بھی نہ تھے التفات سے

کیا خوب کٹ رہے ہیں بسر عافیت کے ساتھ
جنّت میں پا کے بہرہ وافی نجات سے

کہتا ہی کون ختم ہوئی ان کی زندگی
ناقص حیات بدلی ہی کامل حیات سے

نکہت سنائیں آپ وہ تاریخِ انتقال | جس کی نظیر فن میں ہو نا ممکنات سے
تکمیر سوا ہو جُمل میں بھی سن عیاں | جائے نہ مصرعے میں رعایت یہ ہاتھ سے
یعنی ہوئے جو فائزِ آرامِ جاوداں | وہ عشر ہفتمیں ہیں سنین حیات سے
تو انضباطِ سال میں ضبطِ رقم کے ساتھ | دو دو کی تین بار کمی کیجے سات سے

اعداد مصرعہ سنہ ۱۳۵۷ھ
عمل تکسیر ۷ کمی ۲ ۵ کمی ۲ ۳ کمی ۲ ۱
حاصل مجموعہ سنہ ۱۳۵۰ھ

پھر یہ دعائے خیر بھی ہو اس کے بعد ہی | یارب ہوں شاد کامِ حقیقی حیات سے

سنہ ۱۳۵۷ھ

رضواں کا یہ خطاب بنے سال عیسوی | دل بھر کے پھول چن لو ریاضِ نجات سے

سنہ ۱۹۳۸ء

دیگر

میر اظہر علی کے ماتم میں | بن گئیں آنکھیں ابرِ آذاری
آنسوؤں کی جھڑی نہیں تھمتی | خون کی نہریں ہو گئیں جاری
سن وہ چھوٹے ہم سے غم سے ہم نہ چھٹے | وائے تقدیر کی زباں کاری
ضعف کے بھی ابھی نہ تھے آثار | زیست پھر ان پہ کیوں ہوئی بھاری
کرتے گر اس سفر میں کچھ تاخیر | کیا تھی رضواں کی خاطر آزاری
اُٹھ گئے جب دوکان سے گاہک | کون دل کی کرے خریداری
یاس ہی یاس کے مناظر ہیں | مل گئی آس خاک میں ساری

آنا جانا ہے سانس کا مشکل — چل رہی ہے جگر پہ اک آری
درد کرتا ہے دل کی ہمدردی — مرگ پر ہے مدارِ غمخواری
دورِ لطفِ حیات ختم ہوا — کلفتِ غم کی آگئی باری
سخت جانی ہے اور اجل تو ہے — ہم ہیں اور تیری ناز برداری
دور دورہ ہے تیرہ بختی کا — رنگ لایا ہے چرخِ زنگاری
جاں بری اس سے ہو یہ ہے دشوار — چوٹ دل پر پڑی ہے وہ کاری
ایسے ہوتے ہیں اب کہیں پیدا — نازشِ سروری و سرداری
خُلق کا جن کے جزوِ اعظم ہو — خلق کی دل دہی و دلداری
کس کی ہو کر رہیں گی ان کے بعد — خوش مزاجی خجستہ کرداری
دل لبھانے میں فردِ کامل تھی — عجز کے ساتھ ان کی خودداری
ابرِ رحمت ہو اور ان کی خاک — وہ ہوں اور لطفِ شانِ غفّاری
گھیرے چھاکے چاروں جانب سے — ان کی تربت کو رحمتِ باری
جب ہوئی فکرِ سال میں نکہت — دل کی آشفتگی سے ناچاری

لائے سر اپنے نذر کرنے کو
نالہ و شیون و غم و زاری
۵۰ ۳۰۰ ۱۰۰۰ ۷

۱۳۵۷ھ

از جناب حافظ سیّد وکیل احمد صاحب وکیل سہسوانی

سیدِ اظہر علی کے مرگ سے ‏ ‏ دوستوں کے چاک غم سے دل ہوئے
مصرعۂ تاریخ رحلت ہو وکیل ‏ ‏ مرحبا فردوس میں داخل ہوئے

۱۳۵۷ھ

از جناب مولوی سیّد اختصاص حسین صاحب سہسوانی
مقیم قصبہ پھپوند ضلع اٹاوہ

کہاں اب وہ صبحِ بہارِ وطن ‏ ‏ کہ ہے شامِ غم دوستدارِ وطن
نہ وہ رونقیں ہیں نہ وہ رنگتیں ‏ ‏ کہوں کس سے ہیں حال زارِ وطن
خدا ہی تجھے دے گا توفیق صبر ‏ ‏ دل خستہ و بے قرارِ وطن
محبت میں، الفت میں، اخلاق میں ‏ ‏ وہ لاریب تھے افتخارِ وطن
بحقِ محمدؐ علی اے خدا ‏ ‏ "محمد علی" ہوں نگارِ وطن
سخن گو، سخن داں، سخن سنج تھے ‏ ‏ وہ تھے شاعرِ نامدارِ وطن
سرِ انا للہ کہہ کر کہو ‏ ‏ وطن سے اُٹھے غم گسارِ وطن

۱ ‏ ‏ ۳۷ ‏ ۶ ‏ ۱۹

۳۸ ‏ ۶ ‏ ۱۹

دیگر

سر پہ آرائے بزمِ آں جہانی ‏ ‏ امیر اظہر علی سہسوانی

مہ خلق کریمش ضوفشاں بود | بہ فرق ہر کہ و مہ این و آنی
رئیس کشورِ علم و عمل بود | بہ اقلیمِ سخن سحبانِ ثانی
بہ ذاتش جملہ اوصافِ حمیدہ | نہادہ خالقِ کون و مکانی
نہ بینی روئے مہجورانِ فرقت | چہ پرسی سوزِ غمہائے نہانی
مبصّر بود در تفسیر و سنّت | منقّد بود در شعر و معانی
بہ صورت تابعِ "لا تمش مرحا" | بہ سیرت پیروِ سبع مثانی
دُرِ شہسوارِ بحرِ سہسواں بود | زرِ بے عیب کانِ دُودمانی
بہ فردوسِ بریں منزل گزین ست | چہ بار آورد نخلِ دستانی
پیامش نشنود جز گوشِ شنوا | "بہ مسلم لیگ آ" ورنہ تو دانی
طلب صبر از پئے پس ماندگانش | دلا تا کے عبث این نوحہ خوانی
بدہ پس ماندگاں را صبر و ہم اجر | خداوند زمین و آسمانی
پئے تاریخ با "آداب" برخواں | کشید آخر بساطِ زندگانی

۸ | ۱۳۴۹ھ

از جناب حکیم کفیل الدین صاحب المتخلص بہ عالی بدایونی

رئیس سہسواں نامی گرامی | امیر خوش گہر از آلِ حیدر
پئے سالِ وصالش فکرِ عالی | زروئے آہ گفتہ - میر اطہر

۱۳۵۶ + ۱ = ۱۳۵۷ھ

دیگر

یار و احباب او فغاں کردند
حیف صد حیف ہم جلیس بمرد

گفت پیرِ خرد چو جاں کشید
میر اظہر علی رئیس بمرد

۵۴ ۔ ۹۲ ۔ ۱۹
۵۴
۱۹۳۸

دیگر

مہ و مہرِ سپہرِ عزّ و حشمت
سراجِ پرضیائے بزم مودود

چو شد خاموش ایں گفتہ سروشے
چراغِ مہسواں شمع فلک بود
۱۹۳۸ء

دیگر

کہیں وہ لوٹ کر آیا ہی عالی
کہ اس محفل سے اٹھ کر جو گیا ہی

جو اشکِ گرم نکلے بولا ہاتف
کہ روتے ہو تمھیں کیا ہو گیا ہی

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی وہ روتے روتے سو گیا ہی

۴۶ ۔ ۱۱ ۔ ۷۳ ۔ ۱۳
۱۹ ۵۸۱ × ۲۵
سنہ ۱۹۳۸ء

از جناب مولوی ابو البیان یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی

سیّد اظہر علی نے
آہ غربت میں قضا کی

خُلق تھا ایسا کہ ان سے
جو ملا اس نے ثنا کی

کوئی بھی ان کا جہاں میں
مل نہیں سکتا ہی ثانی

علم پرور وہ کہ ان کی | موت ہے عسلی بلا کی
اپنے وطن میں جب کو دیکھو | ان کی فرقت میں ہے ہا کی
سالِ مرگِ میر کی تھی | فکر یاروں کو بلا کی
قلبِ راغب نے خبر دی | ان پہ ہے رحمت خدا کی

۱۳۵۶ + ۱ = ۱۳۵۷ھ

دیگر

غربت میں آہ سید اظہر علی کی موت | اہلِ وطن کے واسطے ہے صدمۂ عجیب
اُف لکھنؤ میں بھی نہ دوا آئی کوئی راس | یعنی کہ دفعِ مرگ سے عاجز رہے طبیب
کردار، خُلق نیک و صفائی ضمیر و ذہن | تھیں اُن کی ایک ذات میں سو خوبیاں عجیب
راغب نوید مغفرت و سالِ مرگ میر | دل نے مرے کہا ہے کہ ہیں مغفرت نصیب

۱۹۳۶ + ۱ = ۱۹۳۷ء

از جناب قاضی غلام سجاد صاحب مختار بسمل بدایونی

وا دریغا کرد رحلت از جہاں | آں ولی مومن و حق را ولی
عالمے بر فضلش آمد معترف | بود در ہر وصف او حسن علی

گفت رضواں سال ترحیلش بمن
خلد جائے سید اظہر علی

۱۹۳۸ء

کلام

خان بہادر مولوی سیّد اظہر علی صاحب اظہر مرحوم

رئیسِ سہسوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سر میں ہر مومن و کافر کے ہے سودا تیرا
کون عالم میں نہیں چاہنے والا تیرا

رُخِ دل آویز ہے دل کش قدِ رعنا تیرا
کیوں نہ ہو جی سے طلبگار زمانا تیرا

جب نکلتا ہے کبھی اپنے مکاں سے باہر
ہوتا ہے ایک جہاں محوِ تماشا تیرا

بخت اُن کا ہے، نصیب اُن کا، مقدر اُن کا
رات دن جن کو میسر ہے نظارا تیرا

لیلیٰ و قیس کا افسانہ زمانہ بھولا
تذکرہ ہوتا ہے ہر بزم میں پیارا تیرا

مدعی عشق کے ہیں یوں تو ہزاروں لیکن
مجھ سا ہوگا نہ کوئی عاشقِ شیدا تیرا

سب حسینوں سے ملی وضع انوکھی تجھ کو
سارے عالم سے ہے انداز نرالا تیرا

جب کہا ناوکِ مژگاں کا نشانہ ہے کون؟
ہنس کے کس ناز سے فرمایا کلیجا تیرا

مشکِ اذفر کی حقیقت نہیں اس کے آگے
ہے بسا اور ہی خوشبو سے پسینا تیرا

ہے شب و روز یہی حق سے دعا اظہر کی
جب تلک سر رہے، سر میں رہے سودا تیرا

یوں نہ عشّاق پہ بیدادگر اصلا ہوتا
دل کسی پہ جو کہیں یار کا آیا ہوتا

مجھکو دل دادہ بتوں کا جو کیا تھا یا رب
کاش پہلو میں نہ میرے دلِ شیدا ہوتا

قدر ہی حسن کی عشّاق کے دم سے ساری
ہم نہ ہوتے تو نہ اس جنس کا سودا ہوتا

پھر تو شاید مجھے مُنھ تک نہ لگاتا ظالم
مجھ سا ایک اور اگر چاہنے والا ہوتا

قتل خنجر سے کیا تم نے تو کیا بات ہوئی
کوئی انداز نیا، طرز نرالا ہوتا

یوں نہ غیرت سے چھپاتا کبھی احباب سے مُنہ
تو نے اظہرؔ کو جو دیدار دکھایا ہوتا

کعبہ و دیر میں ہے جلوہ نمایاں کس کا
کلمہ پڑھتا ہے ہر اک گبر و مسلماں کس کا

تم کو آرائشِ گیسو سے شب و روز ہے کام
کیا غرض اس سے کہ ہے حال پریشاں کس کا

سچ بتا برق تجھے اپنی تجلّی کی قسم
تیرا خندہ ہے مریدِ لبِ خنداں کس کا

ہیں حسینانِ جہاں سامنے اس کے سب ہیچ
نہیں معلوم مرے دل کو ہے ارماں کس کا

کیوں کنوئیں جھانکتے پھرتے ہو بتاؤ اظہرؔ
نظر آیا ہے تمھیں چاہِ زنخداں کس کا

گر اہلِ وفا پہ جفا کیجئے گا
خطا کیجئے گا خطا کیجئے گا

یوہیں آج کل کیا کیا کیجئے گا
کسی دن تو وعدہ وفا کیجئے گا

کبھی بوسۂ لب عطا کیجئے گا
علاجِ دلِ مبتلا کیجئے گا

نہ تھی اپنی قسمت سے امّید ہم کو
کہ ہم پہ جفا ہی جفا کیجئے گا

ہؤا دردِ ہجراں کا جب اُن سے شاکی
کہا جا کر اپنی دوا کیجئے گا

بڑے باخدا آپ ہیں شیخ صاحب
ملے وہ صنم یہ دعا کیجئے گا

مری بدگمانی خبر مجھ کو دے گی
جو غیروں سے چھپ کر ملا کیجئے گا

خدا کے لیے اپنا قامت دکھا کر
نہ برپا قیامت کیا کیجئے گا

دھرا قصۂ قیس و امق میں کیا ہی
فسانہ ہمارا سنا کیجئے گا

لکھے دیتا ہوں آپ سے یاد رکھنا
مرے دل کو لے کر دغا کیجئے گا

نہیں ذکر غیروں کا ہر وقت اچھا
مرا بھی کبھی تذکرہ کیجئے گا

دل و دیں سے دھو بیٹھیں ہاتھ آپ ظاہر
محبت کا تب حوصلا کیجئے گا

بنایا ہی اگر قلبِ بتِ بے پیر پتھر کا
دلِ عاشق بھی کر دے مالکِ تقدیر پتھر کا

حرم میں دیکھ لے جلوہ ہی پُرتنویر پتھر کا
سمجھ زاہد نہ رتبہ قابلِ تحقیر پتھر کا

ہیں ہم اک سنگ دل کی زلفِ پُرخم کا جو دیوانا
عوض آہن کے ہو ہر حلقۂ زنجیر پتھر کا

حقیقت لکھنی ہی اُس بت کو اپنی سخت جانی کی
قلم درکار ہی ہم کو پئے تحریر پتھر کا

ترے دل میں اثر ہوتا نہیں کیوں سنگ دل ورنہ
جگر شق کرتا ہی یہ نالۂ شب گیر پتھر کا

ترس آتا نہیں تجھ کو کسی کی آہ و زاری پہ
جگر کیوں کر لیا ہی تو نے چرخِ پیر پتھر کا

نہ ہوگا فرق کچھ روزِ جزا ادنیٰ و اعلیٰ میں
وہاں ہر سنگریزہ ہوگا دامن گیر پتھر کا

اُٹھائے گر نقاب اپنی رخِ تاباں سے وہ مہرو
تو پرتو سے ہر اک ذرہ ہو پُرتنویر پتھر کا

تمہارے لعلِ لب کا عکس پڑ جائے اگر اس پر
بنے لعلِ بدخشاں رنگ ہو تغییر پتھر کا

دلِ فرہاد سے پوچھے کوئی یہ لذتِ شیریں
محل کس طور سے اس نے کیا تعمیر پتھر کا

شبِ وعدہ وہ سینہ زوریاں کرتے رہے مجھ سے
نشانہ کیوں بنایا مجھ کو بے تقصیر پتھر کا

مری آہیں کچھ اس سنگیں کے ہمدم دل میں اثر کرتیں
وگرنہ چھید دیتے ہیں جگر یہ تیر پتھر کا

ٹکے لعلِ بدخشاں کب ہیں اس گل رو کے جامے میں
الٰہی خیر کیجو خوں ہے دامن گیر پتھر کا

دمِ صید افگنی غالب یہ رعبِ حسن تھا تیرا
بنا حیرت سے شکلِ بت ہر اک نخچیر پتھر کا

زمینِ سنگلاخ حضرتِ فرخ میں اے اظہر
نہیں بندھتا کوئی مضموں کسی تدبیر پتھر کا

تم نے جو وعدہ کیا جھوٹا کیا
میں نے جو منہ سے کہا پورا کیا

ہر گلی کوچے مجھے رسوا کیا
اے دلِ بے تاب تو نے کیا کیا

تھا مقدر میں نہ تیرا دیکھنا
راہ تیری رات بھر دیکھا کیا

خوب غیروں سے ہوئے تم بے حجاب
چاہنے والوں سے ہاں پردا کیا

انتظاری میں تری جھپکی نہ آنکھ
رات بھر میں سوئے در دیکھا کیا

سامنے اس کے نہ دھڑکا ایک بار
ہائے اس دل نے مجھے جھوٹا کیا

قبر پر آؤ گے ہو کیوں کر یقیں
کوئی بھی وعدہ کبھی ایفا کیا

تم عدو کے ساتھ سوئے چین سے
اضطرابِ دل سے میں تڑپا کیا

جان دے گا کوئی کس امید پہ
آپ نے مجھ سے سلوک اچھا کیا

وصل کی شب مجھے سے فرمانے لگے
اب تو وعدہ میں نے لو پورا کیا

بے خودی ہی میں شبِ وعدہ کٹی
میں اُسے اور وہ مجھے دیکھا کیا

کہتے ہیں اظہر نہیں میری خطا
آپ کے اشعار نے رسوا کیا

زیبِ آغوش شبِ وعدہ کبھی تو نہ ہوا
زانوئے حور مرا تکیۂ پہلو نہ ہوا

قبر میں بھی کوئی تسکین کا پہلو نہ ہوا
مر گئے بھی اس دلِ بیتاب پہ قابو نہ ہوا

آشیاں طائرِ دل کا مرے گیسو نہ ہوا
ہیں پریشاں جہاں میں صفتِ بو نہ ہوا

باغ میں سنبلِ پیچاں نے بہت سر مارا
بل پہ بل کھائے مگر ہمسرِ گیسو نہ ہوا

دم نکلنے میں مجھے کچھ بھی نہ ہوتی تکلیف
بالشِ سر مرا دلدار کا زانو نہ ہوا

اشک پینے بھی تو دشوار تھے فرقت میں مجھے
یاد میں آپ کے کس دن مجھے اچھو نہ ہوا

عیش و راحت کسے کہتے ہیں نہیں ہوں واقف
میں غم و رنج و الم سے کبھی یکسو نہ ہوا

ہائے اے کوتہئ بخت برا ہو تیرا
کہ شبِ وصل بھی اس شوخ پہ قابو نہ ہوا

تیرے خط آنے سے کم ہو گئی بیتابیٔ دل
للہ الحمد طبیعت کو سکوں گو نہ ہوا

بے قراری میں شبِ ہجر تڑپتے گزری
چین مجھ کو کسی کروٹ کسی پہلو نہ ہوا

پاس تھا ضبطِ محبت کا یہاں تک مجھ کو
جوشِ غم میں بھی رواں آنکھ سے آنسو نہ ہوا

بندھ سکا چشم کا مضمون نہ ہم سے ہرگز
لاکھ کوشش کی مگر صید یہ آہو نہ ہوا

کانپ جاتا ہی بدن خوفِ قیامت سے مرا
شرمِ عصیاں سے میں کس روز لبِ جو نہ ہوا

یوں تو ساقی نے کئے سیکڑوں ہی خم خالی
تشنہ کاموں کو نصیب ایک بھی چلو نہ ہوا

رات بھر میں اسی الجھن میں رہا تا دم صبح
وصف گیسو کا رقم تب بھی سر مو نہ ہوا

میرے ہی واسطے تسخیر کا آتا ہے عمل
دل دشمن پہ کبھی آپ کا قابو نہ ہوا

تم نے تولے نہ نگاہوں میں وفا کے جوہر
ناوک ناز مرے دل میں ترازو نہ ہوا

درد کی جا مرے پہلو میں وہ ہوتے اظہر
وائے تقدیر کہ ایسا کوئی پہلو نہ ہوا

دہن کا وصف تیرے کس طرح اے ماہ رو ہوتا
نشاں ہوتا اگر کچھ تو مقام گفتگو ہوتا

شب وعدہ جو پہلو میں وہ شوخ شعلہ خو ہوتا
دل پر سوز روشن شمع ساز آرزو ہوتا

وہ سند پاک مشرب ہیں جو کرتے دہن افشانی
پسینہ سے ہمارے شیخ کو جائز وضو ہوتا

چلا ہوں ہاتھ دھو کر دین و دنیا کے بکھیڑوں سے
طواف کوئے جاناں کس طرح بے وضو ہوتا

ٹھہرتا بخیہ چاک جگر کیا بے قراری سے
وفور شوق میں اے چارہ گر کیوں کر رفو ہوتا

چمن تھا، ابر تھا، مے تھی سبھی کچھ تھا مگر پیارے
فقط حسرت یہی باقی رہی پہلو میں تو ہوتا

نہ لیتا بھول کر بھی نام ہرگز کوئے جاناں کا
تجھے اے دل اگر کچھ بھی لحاظ آبرو ہوتا

کسی دن تو نکلتا اس محیط رنج و آفت سے
بلا سے اے فلک میں غیر ہی کی آرزو ہوتا

نہ یکتائی کا دعوی پھر زباں پر بھی کبھی آتا
مزہ ہوتا اگر آئینہ تیرے روبرو ہوتا

نہ ہوتا عشق گر مجھ کو نہ تم کو جانتا کوئی
تمہارے حسن کا شہرہ نہ ہرگز چار سو ہوتا

اگر اس ساقی توبہ شکن کو دیکھتے واعظ
زباں پر آپ کے بھی حضرت من و اشربو ہوتا

دلِ گم گشتہ کو ڈھونڈوں کہاں جا کر میں اے ہمدم
اگر کچھ بھی پتا چلتا تو گرمِ جستجو ہوتا

اسیرِ خانۂ صیاد پاسِ وضع نے رکھا
سبک روحی سے ہیں آزاد ورنہ مشکل یہ ہوتا

ڈبوتا گر مجھے شوقِ اسیری سیلِ گریہ میں
تو ہر گردابِ بحرِ غم مرا طوقِ گلو ہوتا

جِلا رکھا ہی سوزِ تشنہ کامیِ شہادت نے
رگِ حلقِ بریدہ سے بھی کیا جاری لہو ہوتا

نہ رہتا دل میں خوفِ حشر پھر اظہر علی بالکل
اگر تم کو خیالِ آیۂ لَاتَقْنَطُوا ہوتا

دل میں ہر مومن و کافر کے ہی مسکن اُن کا
کلمہ پڑھتا ہی ہر اک شیخ و برہمن اُن کا

ہیں ہجومِ نگہِ شوق سے مضطر کیا کیا
خود وبال اُن کے لیے ہوگیا جوبن اُن کا

ماہرِ جور بھی ہو جائیں گے رفتہ رفتہ
کھیلتا ہی ابھی تک تو لڑکپن اُن کا

دوست کا دوست بھی اک طرح کا ہی دوست ضرور
غیر کو غیر کہوں، میں نہیں دشمن اُن کا

ہاتھ اُن کے ہی رہا حسن کا میدان آخر
سب سے دو چار قدم آگے ہی توسن اُن کا

ہنستی مل کر جو وہ نکلے ہیں برائے تفریح
منہ چڑھاتی ہی کھڑی باغ میں سوسن اُن کا

اے ہوسِ دست درازی میں نہ کوتاہی ہو
ہاتھ سے بچ کے نہ جائے کہیں دامن اُن کا

وہ تو راضی ہیں رقیبوں سے مجھے کیا مطلب
میں بُرا کہہ کے بنوں کس لیے دشمن اُن کا

لطفِ بیداد و ستم آئے گا کچھ پیشِ خدا
حشر میں ہوگا مرے ہاتھ میں دامن اُن کا

قوسِ ابرو نہ ہو کیوں رشکِ ہلالِ گردوں
غیرتِ بدر ہو جب عارضِ روشن اُن کا

رحم مظلوموں پہ لازم ہی مری جاں اب تو
آسماں تک بھی پہنچنے لگا شیون اُن کا

بار یابی تری محفل میں ہی جن کو حاصل
اخترِ بخت زمانہ میں ہی روشن اُن کا

مہ جبینوں کا نہیں ظاہر و باطن یکساں
جسم ہی موم مگر قلب ہی آہن اُن کا

ہم کو ملتا ہی ثمر وصل کا یا دشمن کو
دیکھیے کس کے مقدر میں ہی گلشن اُن کا

نگہِ شوق کی اس رخنہ گری کے صدقے
وہ نظر آتا ہی جلوہ پسِ چلمن اُن کا

نحن اقرب کو جو دیکھا تو کھلا یہ مضمون
کہ ٹھکانا ہی قریبِ رگِ گردن اُن کا

کعبہ جاتا ہی تو ای زاہدِ ناداں ناحق
آ ادھر دیکھ مرے دل میں ہی مسکن اُن کا

شاخِ صندل پہ ہوا مارِ سیہ کا قبضہ
ہی یہ موباف سیہ کب پسِ گردن اُن کا

گرم اور سرد زمانہ کا نہیں دیکھا ہی
برق آفات سے محفوظ ہی خرمن اُن کا

دیکھ کے دل اُسے قابو سے نکل جاتا ہی
کچھ عجب صاحبِ تاثیر ہی جوبن اُن کا

قتل سے میرے وہ انکار کریں گے کیوں کر
ہی گواہانِ شہادت میں سے دامن اُن کا

اور کس چیز سے دوں سنگدلی کو نسبت
لوہا مانے ہوے سختی میں ہی آہن اُن کا

کیا غضب ہوگی خدا جانے جوانی اظہرؔ
ڈھا رہا ہی ستم و قہر لڑکپن اُن کا

پرتو حضرت مینائی ہی اظہرؔ یہ سب
مہرِ انور کی طرح نام ہی روشن اُن کا

مجھ کو ستا کے خلق میں بدنام ہوگیا
داخل ستمگروں میں ترا نام ہوگیا

مومن تھا ایک بت کا مگر رام ہوگیا
مغلوب کفر سے مرا اسلام ہوگیا

قاتل عبث ہی تیغِ دو دم کی تجھے تلاش
تیرِ نگاہ سے ہی مرا کام ہوگیا

بے چین روح تن میں ہی حالت ہی میری غیر
پیغامِ وصل موت کا پیغام ہوگیا

بے فائدہ ہی منہ کا چھپانا نقاب میں
شہرہ تمھارے حسن کا اب عام ہوگیا

آغازِ عشق ہی میں ہوا کام یاں تمام
معلوم ابتدا ہی میں انجام ہوگیا

بس یہ خطا ہوئی ہی کہ بوسہ طلب کیا
اس بات پر میں موردِ دشنام ہوگیا

قاصد کی لاش بھیجی ہی خط کے جواب میں
قطعی جواب نامہ و پیغام ہوگیا

چرچا ہی سب میں میرے ترے حسن و عشق کا
واقف ہر ایک خاص ہر اک عام ہوگیا

اتنے ستم اُٹھائے کہ عادت ہی پڑ گئی
آخر کو درد ہی مجھے آرام ہوگیا

اندھیر دیکھو کالی بلا میرے سر پڑی
دل مبتلائے زلفِ سیہ فام ہوگیا

ای رشکِ مہر رات کو آنا کدھر ہوا
کیوں کر اُجالا آج سرِ شام ہوگیا

شب تم نے خاک چھانی ہی کوچہ کی غیر کی
مجھکو صفائی قلب سے الہام ہوگیا

اظہر اس آب و تاب کے اشعار اور تم
مردِ خدا بتاؤ تو الہام ہوگیا

جلوہ گر کاش جو وہ سروِ خراماں ہوتا
گلشن آباد مرا خانۂ ویراں ہوتا

حسنِ بے پردہ بتوں کا جو نہ پنہاں ہوتا
سچ تو یہ ہی کہ بدل کفر سے ایماں ہوتا

اب کھلے بند وہ غیروں سے ہی ملتا جلتا
کیوں مرے قتل سے وہ شوخ پشیماں ہوتا

شرم سے ابر کے چہرہ پہ عرق آجاتا
درد سے میں شبِ ہجراں جو گریاں ہوتا

طلبِ بوسہ پہ ہیں گالیاں لاکھوں لب پر
کیا سزا دیتے اگر وصل کا خواہاں ہوتا

مصحفِ رخ کو دمِ نزع جو تم دکھلاتے
جسم سے دم کا نکلنا بہت آساں ہوتا

دلِ بے تاب تڑپتا نہ کبھی پہلو میں
دل لگی کے لیے گر یار کا پیکاں ہوتا

نیم جاں چھوڑ دیا جنبشِ ابرو سے مجھے
تیغ سے قتل جو کرتے تو کچھ احساں ہوتا

اپنی چالوں پہ نہ یوں کبکِ دری اتراتی
روشِ ناز سے وہ گل جو خراماں ہوتا

دلِ شگافی کا نہ تھا درد یہ رہتا ای تیغ
اور اس میں کوئی اُس شوخ کا ارماں ہوتا

چارۂ درد میں عیسیٰ جو دوا دو کرتے
بدتر از زہر ہلاہل مجھے درماں ہوتا

ہم نے اظہر نہ کیا زلف کا سودا سر مو
تیرہ راہوں میں عبث کون پریشاں ہوتا

ارض سے لے کے تا سما دیکھا
کوئی تجھ سا نہ مہ لقا دیکھا

شاہ دیکھا کہ بے نوا دیکھا
جس کو دیکھا ترا فدا دیکھا

ہر طرح تم کو آزما دیکھا
خود غرض مطلب آشنا دیکھا

ظلم سے ہاتھ اُٹھا لیا ظالم
بس ترا ہم نے حوصلا دیکھا

ظلم سہنے میں ناز اُٹھانے میں
کہیں ہم سا بھی دوسرا دیکھا

شیخ صاحب کروں گا جھک کے سلام
واں یہ تقویٰ جو آپ کا دیکھا

تیرے ہنسنے کا ہم کو دھیان آیا
پھول جب باغ میں کھلا دیکھا

اور کیا چیز ہیں مسیحا کو
آپ کا کشتۂ ادا دیکھا

آنکھ کھُلتے ہی پاے بند ہوا
حلقۂ گیسوے دوتا دیکھا

نہ پھرا دل ہی تیرے پھرنے سے — سارا عالم پھرا ہوا دیکھا
ہو گئے عاشق خود اپنی صورت پہ — جس گھڑی تم نے آئنا دیکھا
شک نہیں اب تو میرے مرنے میں — اپنی آنکھوں سے تم نے کیا دیکھا

جس کو دیکھا جہاں میں اے اظہر
اپنے مطلب کا آشنا دیکھا

کس دن مجھے ان زلفوں کا سودا نہیں اٹھتا — کب میرا قدم جانب صحرا نہیں اٹھتا
للہ اٹھو پہلوے ناجنس سے صاحب — اب تاب نہیں رشک کا صدما نہیں اٹھتا
جی اٹھتے ہیں مردے بھی مگر او بت کافر — نظروں سے کبھی تیرا گرایا نہیں اٹھتا
ہیں صلح میں بھی ان کی وہی رنج کی باتیں — ہے وصل مگر فصل کا پردا نہیں اٹھتا
ہوتے مرے اغیار پہ بیداد نہ کیجے — اتنا تو ستم او ستم آرا نہیں اٹھتا

رحم اظہر غم دیدہ کی حالت پہ ہے لازم
بوجھ اس سے گناہوں کا خدایا نہیں اٹھتا

غیر انجمن یار میں شامل نہیں ہوتا — کافر کبھی فردوس میں داخل نہیں ہوتا
تقدیر کی خوبی سے شہادت نہیں ملتی — ہوتا ہوں میں مقتل میں تو قاتل نہیں ہوتا
جاتا نہیں اس بت کے شمائل کا تصور — دل حور جناں پہ مرا مائل نہیں ہوتا
تو نام کبھی بھول کے میرا نہیں لیتا — میں یاد سے تیرے کبھی غافل نہیں ہوتا
مہتاب کی کیا تاب جو منہ تجھ سے ملائے — خورشید کبھی تیرے مقابل نہیں ہوتا

کچھ روز دنوں میں یہ حسن کی چھوٹ نہ رہے گی
بولو نہ بڑا بول کہ تو قائل نہیں ہوتا

اللہ رے ترے حسن خداداد کی سطوت
آپ آپ ہی آئینہ مقابل نہیں ہوتا

کیوں اس قدر انکار ہی کر دیجے عنایت
ہیں ورنہ تو کچھ بوسہ کا سائل نہیں ہوتا

کیوں سینہ زخمی ہیں شروں جگر و دل
گلزار میں کب شورِ عنادل نہیں ہوتا

اظہر مجھے راحت نہیں ملتی کسی پہلو
پہلو میں جو وہ حور شمائل نہیں ہوتا

ایک عالم زیر و بالا کر دیا
جس طرف تو نے اشارا کر دیا

اتنا رویا میں فراقِ یار میں
شہر و صحرا سب کو دریا کر دیا

قیس کیا تھا میں وہ ہوں وحشت زدہ
شہر کو بھی میں نے صحرا کر دیا

وصل پر راضی ہیں پر کہتے ہیں یوں
کیا سزا گر تو نے رسوا کر دیا

جام مینا کا نہ بخشا غیر کو
کیا سبب جو مجھ کو شرما کر دیا

تو نے ای اظہر چھپایا عشق کو
پر ترے شعروں نے رسوا کر دیا

بے وقت مرے پاس سے جانا نہیں اچھا
بے وجہ مرے دل کا ستانا نہیں اچھا

پھبتی کوئی کہہ دے نہ کہیں چاند گہن کی
یوں چہرے کو آنچل سے چھپانا نہیں اچھا

ہم سے جو لڑے لڑئیے پہ غیروں سے نہ ملئے
ہم ظلم رسیدوں کا ستانا نہیں اچھا

اک بار تو بر لائیے امید ہماری
ہر روز کا اے یار بہانا نہیں اچھا

نالوں سے فلک اور زمیں ایک کرے گا
ہر روز کھلاتا ہی نیا ایک شگوفہ
نالے جو گئے تا بہ فلک پھیر تو بولے
فقرہ چلو اُس سے جو کوئی تم سے چلے چال

ای شعلہ مزاج اتنا جلانا نہیں اچھا
یہ رنگ ترا او گلِ رعنا نہیں اچھا
اس طرح زمیں سر پہ اُٹھانا نہیں اچھا
ہر شخص کو باتوں میں اُڑانا نہیں اچھا

جو کام کرو سوچ سمجھ کر کرو اظہر
مدہوش نہ ہو دیکھو زمانا نہیں اچھا

اظہر کی طرح حال نہ ہو زار کسی کا
سر دے کے کیا گیسوئے دلدار کا سودا
موسیٰ سے کہو دیکھیں مری آنکھ سے آ کر
بل کھانے لگا سنبلِ تر رشک سے کیا کیا
آئیں نہ کبھی ہوش میں غش ایسے ہوں موسیٰ
مرتا ہوں میں پیارے یاد رہے میری وصیت

یارب ہو کسی سے نہ جدا یار کسی کا
ہوتا ہی کہاں مجھ سا خریدار کسی کا
جلوہ ہی سر بزم نمودار کسی کا
آیا جو نظر گیسوئے خمدار کسی کا
دیکھیں جو مری آنکھ سے دیدار کسی کا
دل توڑنا ای جان نہ زنہار کسی کا

اُمیدِ وفا اُس سے عبث رکھتے ہو اظہر
ہوگا نہ ہوا ہی وہ ستمگار کسی کا

اگر بالفرض اُس نے وعدۂ فردا کیا ہوگا
ہم اور اُن سے کہیں گے وصل کے کہنے کی باتیں ہیں
وہ شوخ اور میرے گھر تک آئے قاصد غیر ممکن ہے

تو یہ سمجھو کہ فردائے قیامت کو وفا ہوگا
یہ مضمون روبرو اُن کے بھلا ہم سے ادا ہوگا
ہنسی سے دل لگی کی راہ سے اُس نے کہا ہوگا

یونہیں سمجھائیں گے ہم بھی کسی دن تجھ کو اے ناصح
مزہ آئے گا تو بھی گر کسی پر مبتلا ہوگا

قیامت اور طرزِ فتنہ انگیزی تعجب ہے
تری قامت کا فتنہ وہ نگاہِ دلربا ہوگا

نہیں بے وجہ گورے گال پر نیل آپ کے شاید
تصور میں کسی بے رحم نے بوسہ لیا ہوگا

خدا کی بندگی راتوں کو چھپ چھپ کی تو ہے لیکن
جو ظاہر ہوگیا اس بت کا اے اظہر تو کیا ہوگا

شہرِ جنوں میں کب مرا شہرا نہیں رہا
کس دن میں تیری زلف پہ شیدا نہیں رہا

کس دن جواب دینے میں عاجز ہوا وہ شوخ
حاضر جواب کب لقب اس کا نہیں رہا

تکلیفِ دردِ عشق بیاں کس سے کیجئے
دنیا میں ہائے کوئی بھی اپنا نہیں رہا

کی مہر کی طلب تو دیا قہر سے جواب
مدت سے اب تو اپنا یہ شیوا نہیں رہا

روکے سے آہ و نالہ و فریاد کیا رکے
صبر و شکیب ضبط کا یارا نہیں رہا

بیداد وہ جو کرتے نہیں صاف کھل گیا
اظہر انہیں خیال تمہارا نہیں رہا

قتل کرتا ہے گلے مل کے وہ دلبر میرا
چال تلوار کی سیکھا ہے ستمگر میرا

خانۂ تار کیا تم نے منور میرا
غیرتِ منزلِ خورشید بنا گھر میرا

نہ شکایت ہے عدو کی نہ فلک کا شکوہ
مجھ سے ہی برسرِ پرخاش مقدر میرا

یوں زباں سے تو سبھی کہتے ہیں اپنی اپنی
ہوگا معلوم سرِ معرکہ جوہر میرا

ان جفاؤں پہ ترا نام نہ لیتا ہرگز
مگر افسوس کہ قابو نہیں دل پہ میرا

دیکھ سکتے نہیں اس حال پہ بھی اُف رے حسد
چشمِ اغیار میں کھٹکا تنِ لاغر میرا

یہ اگر جانتا لاتا نہ کبھی ساتھ اسے
رہ گیا کوچہ میں تیرے دلِ مضطر میرا

یاد میں ساقی کے اشک اب بھی نکل آتے ہیں
پسِ توبہ بھی چھلک جاتا ہے ساغر میرا

اپنے دل دکھنے کی پروا نہیں غم ہے اس کا
کہ دل آزار ہوا جاتا ہے دلبر میرا

لے چل اے شوقِ شہادت مجھے مقتل کی طرف
راستہ دیکھ رہا ہے وہ ستمگر میرا

جلد انصاف چکا خلق کا اے داورِ حشر
پھر قیامت ہے جو آیا وہ ستمگر میرا

وادیِ عشق میں پیچھے ہیں خضر بھی کوسوں
ساتھ دیتا نہیں اس راہ میں رہبر میرا

پھر وہاں بھی مجھے آرام کا ملنا معلوم
خلد میں بھی ہے اگر ساتھ مقدر میرا

ٹال جاتے ہیں وہ قصہ شبِ غم کا سن کر
حال سنتے ہی نہیں کان لگا کر میرا

منھ لگا کر نہ کسی کام کا رکھا تم نے
ہو گیا آپے سے باہر دلِ خود سر میرا

کر دیا عشق نے مطعونِ خلائق مجھ کو
تذکرہ سارے زمانہ میں ہے گھر گھر میرا

اُن کی بیداد و جفا کا نہیں شکوہ اظہر
رنج و غم سہنے کا دل ہو گیا خوگر میرا

میری دلداری میں مصروف ہے دلبر میرا
آج سیدھا نظر آتا ہے مقدر میرا

جلوہ فرما سرِ بالیں ہے ستمگر میرا
دل ہے بے چین سے پھر قبر میں کیوں کر میرا

آج کل یار نہیں ہے جو مقدر میرا
دیکھو ہر کام بگڑ جاتا ہے بن کر میرا

گھر میں لگتا ہے نہ جی لگتا ہے باہر میرا
دیکھیں لے جائے گا کس جا دلِ مضطر میرا

خانۂ دل مرا اُجڑا تو بلا سے اُجڑا
شاد آباد الٰہی رہے دلبر میرا

دیکھ لو آنکھوں سے خود آ کے مری حالتِ زار
تم کو لکھنا نہیں آتا ہی جو باور میرا

دور سے دیکھ کے کوٹھے پہ کسی کی صورت
آج قابو میں نہیں ہی دلِ مضطر میرا

دعوئے قتل پہ میرے یہ کہا شرما کر
میرا کیا جرم خطا وار ہی خنجر میرا

میری قسمت سے بھلائی بھی بری لگتی ہی
آپ کو عیب نظر آتا ہی جوہر میرا

آنسو آنکھوں میں جو آتے ہیں تو پی جاتا ہوں
ہو کے لبریز چھلکتا نہیں ساغر میرا

دل سلامت ہی تو دنیا میں خریدار بہت
کیا بگاڑے گا مرا روٹھ کے دلبر میرا

بے سبب بہرِ عیادت نہیں آنا اُن کا
آج وعدہ ہوا شاید کہ برابر میرا

عرصۂ حشر میں اک اور قیامت ہو گی
اگر یونہی شور کرے گا دلِ مضطر میرا

کوئی اُمید سنبھلنے کی نہیں ہی باقی
دیکھ لو آ کے بہت حال ہی ابتر میرا

فصلِ گل میں بھی تو گلشن کا نہیں ہوش مجھے
ہی لگا ساقی کے دروازہ پہ بستر میرا

کوسنے گالیاں دینے کو وہاں اے اظہر
ذکر رہتا ہی شب و روز زباں پر میرا

وصل کی رات ترا لطفِ فراواں دیکھا
دل کا اک ایک نکلتے ہوئے ارماں دیکھا

جب کبھی اُن کو سرِ بزم خراماں دیکھا
ناز و شوخی کو اُٹھائے ہوئے داماں دیکھا

یاد کو آپ کی اللہ سلامت رکھے
ایک فقط اس کو انیسِ شبِ ہجراں دیکھا

منع کرتے تھے محبت سے نہ مانا آخر
اس مصیبت میں پھنسا اے دلِ ناداں دیکھا

دل دیا میں نے انھیں اس کا تو کچھ ذکر نہیں
بوسہ اک دے کے جتانے لگے احسان دیکھا

مجھ کو اپنے دلِ بسمل کا ہوا اس پہ گماں
خوں میں ڈوبا ہوا جب آپ کا پیکاں دیکھا

پہلے دل میں مرے حسرت بھی تھی ارمان بھی تھے
اب سوا تیرے نہیں کچھ غمِ جاناں دیکھا

چارہ سازی بھی کبھی کی ہے کسی کی تم نے
اپنے زخموں پہ تو ہم نے نمک افشاں دیکھا

آبِ شمشیر سے سیراب کیا عالم کو
جس کو دیکھا ترا شرمندۂ احسان دیکھا

حسن وہ چیز ہے پتھر میں اثر کرتا ہے
آئنہ کو بھی ترے سامنے حیران دیکھا

دامن و آبلۂ پا کی بدولت اپنے
ننگا بھوکا نہ کبھی خارِ بیابان دیکھا

وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں
اپنا سایہ بھی نہ ہم نے شبِ ہجراں دیکھا

خونِ ناحق نے مرے رنگ دکھایا اظہر
سرنگوں بیٹھے ہیں وہ آج پشیماں دیکھا

دل کو نکال لے گئے ہیں میرے بر سے آپ
اور سر جھکائے بیٹھے ہیں کیا بے خبر سے آپ

یہ اضطرابِ دل کا تقاضا ہے ہر گھڑی
جا پہنچوں پہلے اٹھ کے وہاں نامہ بر سے آپ

دل را بدل رہے ست کی تصدیق ہو مجھے
نکلوں جو میں ادھر تو آئیں ادھر سے آپ

شاید کسی کی آہ میں تاثیر آگئی
سینہ پہ ہاتھ رکھے جو نکلے ہیں گھر سے آپ

گر یاں نہیں تو حشر میں دیکھیں گے آپ کو
کب تک نہاں رہیں گے ہماری نظر سے آپ

ناصح نہ اس کو آپ کبھی پھر برا کہیں
پر شرط یہ ہے دیکھ لیں میری نظر سے آپ

ایسی اندھیری رات میں تکلیف تم کو دی
ہوں منفعل ہیں نالۂ دل کے اثر سے آپ

کافی ہے ایک جنبشِ ابرو ہی آپ کی
کیوں قتل کرتے ہیں مجھے تیغ و تبر سے آپ

کس بے گنہ کے قتل کا بیڑا اٹھایا ہے
باندھے ہوئے ہیں کس لئے دامن کمر سے آپ

کیا حسن میں مقابلہ حور و پری کریں
بڑھ کر ہزار درجہ ہیں شمس و قمر سے آپ

آ کر مقابلہ میں نشانہ اڑائیے
کیوں چھیدتے ہیں دل مرا ترچھی نظر سے آپ

کس طرح بے حجاب وہ مجمع میں آسکے
شرمائے آئنہ میں جو اپنی نظر سے آپ

اظہر ہجوم حسرت و ارماں ہے ساتھ ساتھ
کوئے صنم کو جاتے ہیں کس کرّوفر سے آپ

قد کو بالیدگی روزی ہو شجر کی صورت
ہو ابھار آپ کے جوبن کا ثمر کی صورت

ابھی کم سن ہو نہ تلوار اٹھاؤ دیکھو
بل نہ کھا جائے کہیں ہاتھ کمر کی صورت

ہو نہ ہو صحبتِ اغیار ہوئی مدِّ نظر
پھر گیا ہم سے ترا دل جو نظر کی صورت

آہنیں دل نہیں کچھ تیغ ہی میرے حق میں
سخت دل تم بھی ہو واللہ حجر کی صورت

تار اشکوں کا بندھے رونے سے فرصت نہ ملے
دیکھ پاؤ جو مرے دیدۂ تر کی صورت

آئیں وہ گھر پہ مرے میری دعا ہو مقبول
جلد دکھلائے خدا مجھ کو اثر کی صورت

سہسواں کی ہو بڑھو وہ ہیں نہ کیوں یاد اظہر
مدتیں گزریں کہ دیکھی نہیں گھر کی صورت

کٹ جاتے ہیں جب دیکھتے ہیں سوئے محمدؐ
اعدا کے لیے تیغ ہے ابروئے محمدؐ

اللہ کے اسرار کا مخزن ہے وہ سینہ
ہے مطلعِ انوارِ خدا روئے محمدؐ

محشر میں خداوند دو عالم سے کہوں گا
جنت کے عوض مجھ کو ملے کوئے محمدؐ

ہم پنجہ ہو کیا رستم دستاں شہ دیں سے
ہو دست خدا قوت بازوئے محمدؐ

خوشبو گل و ریحاں کی نہیں بھاتی ہی مجھ کو
ای باد صبا لا کے سنگھا بوئے محمدؐ

ہو دل کی تسلی کسی صورت سے الٰہی
رو دیا ہی ہیں آجائے نظر روئے محمدؐ

اعمال سے امت کے تھے محزون شہ والا
اس غم میں سیہ پوش تھے گیسوئے محمدؐ

راکب تھے حسینؑ اور حسنؑ دوش نبیؐ کے
تکیہ تھا سدا دونوں کا زانوئے محمدؐ

حاصل ہی ہمیں قید علائق سے رہائی
دل جب سے ہی وابستۂ گیسوئے محمدؐ

ہر باغ میں مانند صبا گشت لگایا
پائی نہ کسی پھول میں خوشبوئے محمدؐ

کیا شمس و قمر حسن میں ہوں شہ کے مقابل
ہیں حلقہ بگوش خم گیسوئے محمدؐ

اللہ غنی شیر فلک کو بھی ہی حسرت
ای کاش کہ ہوتا میں سگ کوئے محمدؐ

محراب حرم تک نہ ہوئی مد مقابل
تضمین ہوا مصرعۂ ابروئے محمدؐ

گرویدۂ اخلاق تھے کفار عرب بھی
خالق نے بنائی تھی عجب خوئے محمدؐ

جد میرے اگرچہ اسد اللہ تھے اظہر
پھر شکر ہی میں بھی ہوں سگ کوئے محمدؐ

لگایا اس ادا سے ہاتھ اس نے اپنے بسمل پر
ہوئی سو جان سے قرباں اجل بھی دست قاتل پر

جنجل کیوں کر نہ ہوں اس لاغری کے ہاتھوں مقتل میں
کہ دھبا تک نہ آیا دامن شمشیر قاتل پر

غم احباب کیا ہو رہرو ملک عدم ہو کر
مسافر آگے پیچھے سب پہنچ جاتے ہیں منزل پر

اگر خنجر نہ پھرتا تو سبکدوشی کسے ہوتی
عبث ہے حضرتِ دل دعوئے خوں میر قاتل پر

مرا دل دیکھ کر بولے اسی پہ ناز تھا تم کو
ہمیشہ دون کی لیتے تھے کیوں جی تم اسی دل پر

عروسانہ حیا کرتی ہے منھ سب سے چھپاتی ہے
ہمارے خون کی مہندی لگی ہے تیغِ قاتل پر

ترے رخ سے مقابل ہوکے اس حالت کو پہنچا ہے
خجالت سے سپیدی چھا گئی ہے ماہِ کامل پر

سبکدوشی ہوئی حاصل نہ ہم کو بارِ گردن سے
رہے گا تا قیامت بوجھ اس کا دوشِ قاتل پر

زکوٰۃِ حسن اک بوسہ دو ہم کو اے شہِ خوباں
عنایت کی نظر اہلِ کرم رکھتے ہیں سائل پر

برا ہو سخت جانی کا نہ نکلا حوصلہ دل کا
بھروسا تھا ہمیں تو برّشِ شمشیرِ قاتل پر

یقیں آتا نہیں گر اضطرابِ قلب کا تم کو
مری جاں ہاتھ رکھ کر دیکھ لو اپنا مرے دل پر

نہیں ہے غم کچھ اپنے قتل کا لیکن یہ صدمہ ہے
رہے گا ہائے بارِ خونِ ناحق دوشِ قاتل پر

بڑھا یہ جوشِ رشکِ گریۂ بیتاب فرقت میں
کہ چشمک دامنِ مژگاں کی ہے دامانِ ساحل پر

ہوئی صیاد کی آمد سبب پیدا ہوا اسی کا
لگی ہے مہرِ خاموشی جو منقارِ عنادل پر

قیامت تک نہ بھولوں گا تجھے بیداد اے ظالم
کہ بن کر نقش پتھر کا وہ منقوش ہے دل پر

لگا کر دوسرا بھی وار مشکل جلد کر آساں
ترحّم کی نظر قاتل خدارا اپنے بسمل پر

چلا ہے آزمانے پھر اسی کو اے دلِ ناداں
مجھے افسوس آتا ہے تری تحصیلِ حاصل پر

نہ پوچھ اے واعظِ بے کیف سیرِ کشتیِ بادہ
بوقتِ مے کشی موجیں اڑائیں ہم نے ساحل پر

برا ہو لاغری کا نقشِ پائے رہرواں بن کر
پڑے ہیں راہ میں ہم قافلہ جا پہنچا منزل پر

چلا جاتا ہے کس کی آتشِ فرقت میں اے اظہر
بتا اے خستہ تن پروانہ ہے کس شمعِ محفل پر

دکھائے دانت اُس نے بھی ہماری سخت جانی پر
بہت کچھ ناز تھا قاتل کو تیغِ اصفہانی پر

خضر گر غور کرتے کچھ مآلِ دارِ فانی پر
نہ جاں اس طرح سے دیتے حیاتِ جاودانی پر

نہیں کچھ اعتبار اس کا حباب آسا ہے پانی پر
بھروسا کس لیے کرتا ہے انساں زندگانی پر

جو لانحل تھے عقدے حل کئے پل بھر میں سب تو نے
شبِ وصلت ہوئے ہم مطلعِ رازِ نہانی پر

کیا قاتل کو شرمندہ نہ نکلا کام بھی میرا
ہوئی مجھ کو ندامت آج اپنی سخت جانی پر

بہارِ چند روزہ ہے کوئی دن میں خزاں ہوگی
غرور اچھا نہیں ہے جانِ من اس نوجوانی پر

وہ غیروں سے اُٹھائیں لطف ہم بیٹھے ہوئے دیکھیں
تھُڑی ہے ایسے جینے پر تُف ایسی زندگانی پر

کنارہ کرتی ہے جب دیکھتی ہے میری حالت کو
اجل کو بھی ترس آتا ہے میری ناتوانی پر

بیانِ دردِ دل سن کر عدو کا دل بھی بھر آیا
ہوا سرگرمِ رقت وہ بھی میری سوز خوانی پر

شبابِ حسن و آغازِ جوانی دیکھ کر تیری
ہماری بھی امنگیں اور ترنگیں ہیں جوانی پر

لگایا عشق کا آزار کیوں اس عمر میں اظہر
ذرا تو رحم کھا مردِ خدا اپنی جوانی پر

بار ہا پاس مری قبر کے نکلا ہو کر
پر جلایا مرا مردہ نہ مسیحا ہو کر

دیکھتے ہی اُسے جاتے رہے ایسا وسان
بات تک منہ سے نہ نکلی مرے گویا ہو کر

قتل میں میرے یہ تعویق و تامل کیوں ہے
رحم کیسا یہ مری جاں ستم آرا ہو کر

حرم و دیر کی بھی سیر کریں گے اک دن
راہِ الفت میں نکل کر ترے جویا ہو کر

اپنے دل میں کوئی ارمان نہ باقی رکھنا
ستم و جور و جفا جو تجھے کرنا ہو کر

رنج واندوہ والم ساتھ نہ چھوڑیں گے مرا
پاس کیوں کر ترے آؤں گا میں تنہا ہو کر

سر پہ آنکھوں پہ بٹھاتا ہی ہر اک خار مجھے
میری توقیر بڑھی بادیہ پیما ہو کر

فخر سے دوڑ کے مجنوں مرے لیتا ہی قدم
جب نکلتا ہوں کبھی جانبِ صحرا ہو کر

آئینہ اُس رخِ روشن کے مقابل ہو کر
رہ گیا سکتے میں بس محوِ تماشا ہو کر

دیکھتے خواب میں بھی حضرت یوسف جو تجھے
بنتے سو جاں سے خریدار زلیخا ہو کر

مہرباں ہوتے ہو گہ، گاہ خفا ہوتے ہو
دم بہ دم رنگ بدلتے ہو زمانا ہو کر

تیرے ہی ہاتھ میں ہے درد کا میرے درماں
کر اطبا کے حوالے نہ مسیحا ہو کر

عشق میں کوئی بھی اپنا نہ رہا وائے نصیب
دل بھی کہتا ہے اُسی کی سی ہمارا ہو کر

خود بھی آئے شبِ غم میں تو منہ تک نہ لگاؤں
موت کو چاہوں بھلا میں ترا شیدا ہو کر

آشناؤں میں بھی جب تنگ ہوں بیگانوں کے
تم ہی بتلاؤ رہے پھر کوئی کس کا ہو کر

سیرِ جنت کی بھی اک روز کروں گا اظہر
متبعِ سنتِ سلطانِ رسل کا ہو کر

روبرو تیرے سرِ عجز جھکائیں کیوں کر
بُتِ بدکیش خدا تجھکو بنائیں کیوں کر

یار پہلو سے چلا اُٹھ کے بٹھائیں کیوں کر
روٹھا جاتا ہے دلِ زار منائیں کیوں کر

خواب میں ہے وہ ستمگار جگائیں کیوں کر
شربتِ وصل سے پیاس اپنی بجھائیں کیوں کر

راہ اغیار تری بزم میں پائیں کیوں کر
ہیں جو کفار وہ فردوس میں جائیں کیوں کر

جس نے دیکھی ہو ترے عارضِ تاباں کی چمک
اُس کی نظروں میں وہ مہر سمائیں کیوں کر

خواب میں بھی تو رسائی نہیں ہوتی اپنی
رنگ اپنا تری محفل میں جمائیں کیوں کر

دل کو چھوڑ آئیں کہاں جاں کو دے آئے کہاں
ہم کو تنہا جو بلاتے ہو تو آئیں کیوں کر

ہر گھڑی نالہ ہے ہر وقت ہے فریاد و فغاں
مجھ سے ناشاد کو خاطر میں وہ لائیں کیوں کر

دل سے رہزن سے جو ہم راہنمائی چاہیں
راستہ منزلِ مقصود کا پائیں کیوں کر

نہ تو دل ہی میں ہے قوت نہ زباں میں طاقت
ہجر کا قصۂ جاں سوز سنائیں کیوں کر

حالِ دل سننے میں ہے عذرِ نزاکت تم کو
حیرت آتی ہے کہ ڈھاتے ہو جفائیں کیوں کر

مارِ گیسو وہ بلا ہیں کہ الٰہی توبہ
اظہر ان دونوں کی لیتے ہو بلائیں کیوں کر

بیداد انھوں نے ہم پہ جو کی داد جان کر
ہم اور خوش ہوئے ستم ایجاد جان کر

صحنِ چمن میں ہو جو قدِ یار جلوہ گر
قمری فدا ہو شوق سے شمشاد جان کر

وہ ظلم کیجئے جو کسی نے کیا نہ ہو
آئے ہیں آپ کو ستم ایجاد جان کر

کرتے ہیں اُن کی قدر زمانے کے حسیں
رشکِ بتانِ خلخ و نوشاد جان کر

گزرا جو سوئے بادیہ مجنوں تو قیس
تعظیم کو کھڑا ہوا استاد جان کر

دیکھا جو راہ میں کوئی پتھر پڑا ہوا
ہم نے اٹھا لیا دلِ ناشاد جان کر

کھینچی ہے میں نے دل پہ ترے حسن کی شبیہ
لازم ہے قدر کر مری بہزاد جان کر

انداز و نازِ یار پہ گر دل کیا نثار
اظہر فدا ہے شیوۂ بیداد جان کر

نہ برپا قیامت کرو چال چل کر | کھڑے ہوں گے قبروں سے مردے نکل کر
تپ غم مجھے پھونکے دیتی ہے ساقی | صراحی پلا کوئی شورہ میں جھل کر
نہ لچکے کمر بل نہ کھائے کلائی | لگانا ذرا تیغ قاتل سنبھل کر
میں وہ ہوں کہ پیچھا نہ چھوڑوں گا ہرگز | کدھر جائے گا وعدۂ وصل ٹل کر
قیامت کی لوگوں میں ہلچل پڑی ہے | چلا ہے جو وہ آج گھر سے نکل کر
یہ نا آشنا ایک ہی بے وفا ہے | نہ عہدِ جوانی پہ اتنا تو بل کر
لیے بے شمار آج بوسے دہن کے | کیا نوچ انھیں آج کیا کیا مچل کر
نہ بیداد کر چھپکے پردے میں مجھ پہ | جو کرنا ہے اے جانِ جاں برمحل کر

ہے آنا تو آجا کہ مضطر ہے اظہر
نہ ہر روز اے بے وفا آج کل کر

فدا مشکِ ختن ہو کاکلِ مشکیں کی جوبن پر | نثار آنکھیں کریں آہو تمھارے شوخ چتون پر
نہیں ہے کاکلِ پیچاں تمھارے روئے روشن پر | بلا کا ناگ کالا حلقہ زن ہے دیکھ لو من پر
خدا کے واسطے کر قتل مجھکو اے بتِ قاتل | قیامت تک ترا احساں رہے گا میری گردن پر
مہ و خور تک نہ دیکھیں مجھکو تا چشمِ رقابت سے | رکھوں دیدہ کا ڈھیلا میں ترے گھر کے روزن پر
کھلایا یہ شگوفہ باغ میں گلہائے نرگس نے | لگائے بلبلوں نے قہقہے گلہائے گلشن پر
یہ دیوانہ وہ سودائی، یہ آشفتہ، وہ خود رفتہ | نرالا شعبدہ آنکھوں کا ہے شیخ و برہمن پر
در و دیوار پر ہے رات میں بھی نور کا عالم | فلک کو رشک آتا ہے تمھارے گھر کے آنگن پر

اُٹھایا جوش وحشت کا یہ اُن کے جعدِ مشکیں نے
سواری ان دنوں ہے اے جنوں سودا کے توسن پہ

دلِ ناداں نہ سمجھا گرچہ ہم نے لاکھ کوشش کی
اثر تعلیم کا ہوتا نہیں ہے طفلِ کودن پہ

نئی تدبیر ہے صیاد کی میرے پکڑنے کو
لگایا لاسہ ظالم نے مرے شاخِ نشیمن پہ

جدھر وحشت لیے جاتی ہے بے تابانہ جاتا ہوں
نہ کچھ موقوف صحرا پہ نہ کچھ موقوف گلشن پہ

گلے پر غیر کے گر رک گئی اس کا عجب کیا ہے
تری تلوار اے قاتل چلے گی میری گردن پہ

نہیں ہے داد کی اُمید اظہر ہے تو اتنی ہے
نظر اشعار پہ ہو میرے اور پھر میرے سخن پہ

غیر کو ساتھ وہ اپنے نہیں آیا لے کر
ملک الموت کو آئے ہیں مسیحا لے کر

خالی ہاتھ آیا تھا دنیا میں مگر جاؤں گا
ہاتھ ملتا ہوا اب تیری تمنّا لے کر

بیٹھ کر تم بھی جھروکے سے تماشا دیکھو
جاتے ہیں اب ترے ارمان کا جنازا لے کر

شکوہ پھر یہ فرمانے لگے جھنجلا کر
روز آتے ہو نیا تم کوئی جھگڑا لے کر

تو بھی پہلو میں ہو تب لطف اُٹھے کچھ ساقی
کیا کروں گا میں فقط ساغرِ صہبا لے کر

تنگ آیا جو بہت دعوئے یکتائی سے
آئنہ آج اُنھیں ہم نے دکھایا لے کر

ایک بھی بات وہاں پیش نہ جائے گی واعظ
یوہیں رہ جائے گا آپ منھ اپنا لے کر

کون ہے اور پھر اب جس سے ہو کچھ چشمِ وفا
آنکھیں دکھلاؤ تمھیں جب دلِ شیدا لے کر

نزع کے وقت تو للہ دکھا دو دیدار
جاؤں دنیا سے نہ میں ہجر کا صدمہ لے کر

مجھ سا ہووے گا نہ خریدار جہاں میں کوئی
دل سی شے دیتا ہوں میں ایک بوسا لے کر

ساقیا بادۂ گلرنگ سے محروم نہ کر
پھل ملے گا تجھے کیا صبر ہمارا لے کر

تا دم نزع رہے گی یہی حالت میری
ہوں وہ بیمار نہ سنبھلوں گا سنبھالا لے کر

صحبت عیش مبارک ہو عدو کو دائم
جاتے ہیں ہم تو ترے ہجر کا صدمہ لے کر

دل چرا کر مرا اتراتے ہو ماشاء اللہ
اینٹھتے پھرتے ہو تم مال پرایا لے کر

اس کے دس تار بھی باقی نہ رہیں گے واعظ
بزم رنداں میں یہ دستار نہ جانا لے کر

بات کرنا بھی اسے شاق ہے مجھ سے اظہر
ہائے قسمت نے کہاں مجھ کو پھنسایا لے کر

ہوا ہے زور پہ کمزوری یہاں تک
کہ بھاری ہے مجھے خواب گراں تک

اڑائی خاک وحشت میں یہاں تک
زمیں کا طبقہ پہنچا آسماں تک

لہو کر لوں گا خشک اپنا یہاں تک
نہ ہوگی تیغ قاتل تر زباں تک

نہیں آتی کہیں جو آہیں یہاں تک
گئیں وہ آسماں کیا لامکاں تک

کرے گا حسن رخ کا خاتمہ خط
بہار گل ہے آغاز خزاں تک

پری رویوں کا سایہ بھی بلا ہے
بچو ان سے بچا جائے جہاں تک

نہایت سیدھا رستہ ہے عدم کا
ہیں بند آنکھیں گئے پہنچا وہاں تک

نہیں ہے کچھ بھی اس ہستی کی ہستی
جہاں کو چھوڑ دو ممکن ہو جہاں تک

ملا کس روز ہے لب سے ترے لب
زباں پہنچی ہے کب میری زباں تک

مرے نالوں سے ہے ہر شخص نالاں
جہاں میں شور ہے دیکھو جہاں تک

چھپی ہے مجھ سے اُن کی کون سی بات؟
عیاں ہے ایک اک رازِ نہاں تک

رسائی دیکھی تیرِ آہ تیری
کہ جا کر رہ گیا بس لامکاں تک

وہ بلبل ہوں جلا دوں سوزِ دل سے
جو بجلی آئے میرے آشیاں تک

لگا تیرِ نظر کس طرح دل میں
نہیں ہے سینہ پر ظاہر نشاں تک

مؤذن اُنگلیاں کانوں میں اپنی
دئے رہتے ہیں کیوں ختمِ اذاں تک

کیا یہ ضبط دل جل کر ہوا خاک
نہ نکلا مُنہ سے آہوں کا دھواں تک

عذابِ جاں غمِ فرقت ہے جس کا
مجھے پہنچا دو اُس آرامِ جاں تک

نہ ہو افشائے رازِ عشق اظہرؔ
نہ آئے حالِ دل ہرگز زباں تک

لیا ہے ضعف نے پیچھا یہاں تک
مرے آگے ہے گردِ کارواں تک

میں کیا شے ہوں مرا وہم و گماں تک
نہیں جا سکتا اُس کے آشیاں تک

گزر اُس گھر میں بھی ہو گا رفتہ رفتہ
رسائی ہو گئی ہے پاسباں تک

نہیں ہمسر کوئی جور و ستم میں
مریدوں میں ہے تیرے آسماں تک

تری تلوار کے کھل جائیں جوہر
اگر آئے کبھی مجھ سخت جاں تک

یہ رعبِ حسنِ جاناں تھا شبِ وصل
نہ آیا حرفِ مطلب کا زباں تک

جو کل تک فوج و لشکر کے تھے مالک
نہیں ہے آج ان کا کچھ نشاں تک

زمانہ دشمنِ جاں ہو رہا ہے
عدو ہیں سب زمیں سے آسماں تک

کسی دن تو نکالو دل کی حسرت ‌‌ رکھوگے ہم کو وعدوں میں کہاں تک

پہنچتے ہو عدو کے پاس تو روز ‌‌ حنا چھٹ جاتی گر آتے یہاں تک

ٹلے گی عمر جاوید اس کے بدلے ‌‌ تمھارے واسطے حاضر ہے جاں تک

شبِ غم مر گئی جا کر کہاں موت ‌‌ میں جی جاتا اگر آتی یہاں تک

بھرے ہیں وصل کے ارمان لاکھوں ‌‌ نہیں آتے مگر دل سے زباں تک

میں سمجھوں لگ گئی محنت ٹھکانے ‌‌ جو پہنچوں مر کے بھی کوئے بتاں تک

پکڑ ہی لوں گا اک دن دامنِ یار ‌‌ کرے گی کوتہی قسمت کہاں تک

بھرم کھل جائے گا سارا عدو کا ‌‌ یہ سب ڈینگیں ہیں وقتِ امتحاں تک

نکالو وصل کی اب کوئی صورت ‌‌ اٹھاؤں ہجر کے صدمے کہاں تک

کیا یہ ضبط دل جل کر ہوا خاک ‌‌ نہ نکلا منہ سے آہوں کا دھواں تک

تری چشمِ فسوں گر سرمگیں سے ‌‌ چرائیں آنکھ اہلِ اصفہاں تک

ہوئی ہے سیدھی جو برگشتہ قسمت ‌‌ تو ہیں اب مہرباں نامہرباں تک

مری چپ کا زمانہ بھر میں ہے شور ‌‌ خموشی پہنچی ہے حدِ فغاں تک

کیئے جاؤں تری فرقت میں آہ ‌‌ تسلی کب تلک اور تسکیں کہاں تک

بھلا کیا رحم کی ہو اس سے امید ‌‌ نہ کرنے دے ستمگر جو فغاں تک

ضعیف ایسا ہوں کرنا چاہوں گر آہ ‌‌ نہ آئے دل سے برسوں میں زباں تک

چلے دنیا سے بے نام و نشاں ہم ‌‌ نہیں ہے نام کو باقی نشاں تک

ہوا خلوت میں جس کے بار سو بار — نہیں جا سکتا اُس کے آستاں تک
ہی اُس بت کو جو شور و غل سے نفرت — نہیں دیتا ہوں اس ڈر سے اذاں تک
بس اب بلبل ہی اور دام و قفس ہے — جو صیاد آ گیا ہی آشیاں تک
نہ ہو پردہ نشیں کا فاش پردہ — نہ آئے آہ اور نالہ زباں تک
نہیں ہی حسن میں اب تیرا ثانی — کوئی تحت الثریٰ سے لامکاں تک
میں ہوں وہ ناتواں مثل پر کاہ — بگولا لے اُڑے گا آسماں تک

کلام اظہر کا ہے اظہر من الشمس
زباں پہ رکھتے ہیں اہل زباں تک

ہوا ہی دشمنِ جاں یہ مرا دل — بدل دے یا الٰہی دوسرا دل
لگائے تیر گر وہ تُرکِ سفاک — کہے شاباش سینہ مرحبا دل
زباں پہ رکھ دے، صراحی کے دہن پہ — جو خوش کرتا ہی میرا ساقیا دل
کسی کے زلف کا سودا خریدے — نہیں ایسا ہمارا باولا دل
ستمگر، بے مروت، بے وفا ہو — لگائیں تم سے کیوں بے فائدہ دل
نہ دیتا میں صلاحِ عشق ہرگز — اگر کر لیتا مجھ سے مشورہ دل
نہ پاس اُن کے، نہ پہلو میں ہمارے — کہاں ڈھونڈیں الٰہی کیا ہوا دل
نہ ہو جس سر میں سودا ہی وہ کیا سر — نہ ہو جس دل میں الفت ہی وہ کیا دل
کروڑوں آفتوں میں ہی گرفتار — ہمارا لاکھ نازوں کا پلا دل

کسی سے کیا گلہ، شکوہ، شکایت — خوشی سے ہم نے اُس کو دے دیا دل
سلام اغیار کے لکھ لکھ کے خط میں — دکھاتے ہیں وہ دانستہ میرا دل
وہ روٹھیں بے سبب اور میں مناؤں — نہیں کرتا گوارا التجا دل
خدا بخشے وہ بحرِ غم میں ڈوبا — پرانا تھا جو اپنا آشنا دل
نہ آتا پیچ میں زلفِ دوتا کے — اسی کوچہ میں میرا لٹ گیا دل
غضب ہے، قہر ہے، الفت بتوں کی — گرفتارِ محبت ہو گیا دل

محبت کا صلا پایا یہ اظہر
لہو ہو ہو کے آنکھوں سے بہا دل

کہاں ہم رہے دل لگانے کے قابل — محبت کے صدمے اُٹھانے کے قابل
لڑکپن میں مجھ سے چھپے وجہ کیا ہے — یہ دن تو نہ تھے مُنہ چھپانے کے قابل
وہ کہنے لگے دیکھ کر دل ہمارا — ہے تیر نظر کے نشانے کے قابل
نہ کچھ مجھ سے حالِ شبِ وصل پوچھو — یہ قصہ نہیں ہے سُنانے کے قابل
غضب ہے بتوں کی طرح حضرتِ دل — ہوئے تم بھی میرے جلانے کے قابل

وہ باتوں میں تم کو اُڑائے گا اظہر
ہو بالفرض سارے زمانے کے قابل

بنتے ہیں آئینہ وقتِ جلوۂ دیدار ہم — رکھتے ہیں حیرت سے چشمِ نرگسِ بیمار ہم
اضطرابِ دل نے دی ہے وصلِ دشمن کی خبر — رخنۂ پہلو کو سمجھے روزنِ دیوار ہم

فصلِ گل میں ہے تقاضائے دلِ وحشی سرشت — دھجیاں کرکے اڑا دیں دامنِ گلزار ہم

مرتے مرتے بھی نہ چھوڑی دردِ دل نے ہمرہی — دوسرا رکھتے نہیں ایسا کوئی غمخوار ہم

شاہدِ مقصد کی صورت ہوتی ہے پیشِ نظر — دیکھتے ہیں جب ترا آئینۂ رخسار ہم

شکوۂ بزمِ عدو سے رہ گئے دونوں خجل — منفعل وعدہ سے وہ شرمندۂ اقرار ہم

رہتے ہیں مضطر شبِ وعدہ خیالِ خواب میں — بختِ خفتہ سے ہوئے ہیں دیدۂ بیدار ہم

تھی ہمارے دم سے شہرت حسنِ عالم سوز کی — کر چلے ٹھنڈی تمھاری گرمیِ بازار ہم

وصل کی شب ہو گئے، پل بھر میں عیاں رازِ نہاں — سہل سمجھے ہیں کشادِ عقدۂ دشوار ہم

تھا بہت تم کو تکبر کھینچ ہی لایا مگر — چومتے ہیں اپنے جذبِ دل کا منھ ہر بار ہم

وصل کی شب ہے نکالیں کچھ تو دل کی حسرتیں — خوب چمٹا کر کریں گے آج تم کو پیار ہم

خنجرِ جور و ستم کی پردہ پوشی کے لیے — رکھتے ہیں سینہ میں پنہاں زخمِ دامن دار ہم

لن ترانی اس قدر برقِ تجلّی کس لیے — صورتِ موسیٰ نہیں ہیں طالبِ دیدار ہم

کر رہے تھے باغ میں کیا کیا خوشی کے چہچہے — دیکھ کر صیّاد کا منھ رہ گئے ناچار ہم

دیکھ کر کرنا ذرا اظہر برائی غیر کی
گوش دارد ہوشیار اے بے خبر دیوار ہم

مطلعِ برجستۂ قدرت کی دیں یوں داد ہم — بیت ابرو پر کریں آنکھوں سے اپنی صاد ہم

فصلِ گل میں بھی نہ کچھ صورت رہائی کی ہوئی — کیا کریں گے یاد تجھ کو بے وفا صیّاد ہم

جس قدر ہو ناز قسمت پہ ہمیں بے جا نہیں — ہیں ہزاروں میں پسندِ خاطرِ صیّاد ہم

ہم سے تو پردہ رہے اور غیر دیکھیں بے حجاب
اک جہاں پر مہربانی مورد بیداد ہم

رہتے ہیں فکر گرفتاری دل میں وہ اسیر
آج تک سمجھے نہ فرق صید اور صیاد ہم

قتل گہ میں اضطراب جسم بسمل کو نہ پوچھ
ای اجل ہیں کشتۂ بے رحمی جلاد ہم

خاطر شوق شہادت ہے ہمیں مد نظر
سر کریں گے آج نذر خنجر جلاد ہم

دل میں ہے سوز محبت چشم میں آب وفا
آگ پانی سے کچھ اپنے جل بجھے ناشاد ہم

اضطراب دل سے کیوں آتا نہیں دم بھر قرار
ہو گئے طبع ستمگر کی مگر افتاد ہم

ہچکیاں آتے ہی آتے دم نکل جاتا ضرور
خیر ہے جب تاک انھیں آتے نہیں ہیں یاد ہم

صفحۂ دل پر کھچی رہتی ہے تصویر صنم
اب تصور سے ہیں رشک مانی و بہزاد ہم

تا بکے طعنے فغان نارسا کے مہرباں
خیر بہتر ہے سنبھلیے کرتے ہیں فریاد ہم

سچ تو یہ ہے حال لکھنا کچھ نہیں پر ختم ہو
ہیں غزل گوئی میں اظہر آج کل استاد ہم

بے اعتنائیوں کا ترے کچھ بھی غم نہیں
ہم اور سے ملیں گے طرح دار کم نہیں

مانا کہ وصل سے مرے انکار ہی تمھیں
آنے کی ہاں تاک کے تو کھائی قسم نہیں

تنہا فلک ہی مورد الزام کیوں ہوا
جور و ستم میں تم بھی کسی طرح کم نہیں

ہے قہر ہم کسی سے اگر بات بھی کریں
تم غیر سے ملو تو یہ کچھ بھی ستم نہیں

آنکھیں ملا کے مجھ سے ذرا کہہ تو دیجئے
بھرتے حضور الفت دشمن کا دم نہیں

منھ رکھ کے میرے منھ پہ وہ کہتے ہیں پیار سے
تم سے مجھے ملال خدا کی قسم نہیں

ہے اپنے بختِ بد کی شکایت مجھے ضرور
شکوہ مجھے تمہارا خدا کی قسم نہیں

کہہ دیں جو کچھ زباں سے نباہیں تمام عمر
پھر جائیں اپنے قول سے اظہرؔ وہ ہم نہیں

قصۂ وصل عدو مجھ کو سنا دیتے ہیں
چٹکیوں بیٹھے بٹھائے وہ رلا دیتے ہیں

دونوں جب ملتے ہیں اک دھوم مچا دیتے ہیں
وہ ہمیں گالیاں ہم اُن کو دعا دیتے ہیں

آئنہ جب رخِ روشن کا دکھا دیتے ہیں
شکلِ تصویر وہ بت سب کو بنا دیتے ہیں

خواب میں شکل جو وہ اپنی دکھا دیتے ہیں
بختِ خوابیدۂ عاشق کو جگا دیتے ہیں

تیغ ابرو کی ادا جب وہ دکھا دیتے ہیں
اپنے عشاق کو چہ رنگ بنا دیتے ہیں

گردشِ چشمِ فسوں گر جو دکھا دیتے ہیں
ایک عالم کو وہ دیوانہ بنا دیتے ہیں

بگڑے کس بات پہ انکار کیا تھا کس دن
جب کہا دیتے ہو دل ہم نے کہا دیتے ہیں

گالیاں دیتے ہیں اظہارِ وفا پر مجھ کو
قدرداں ہیں مری الفت کا صلا دیتے ہیں

اُس نے پُرزے مرے خط کے نہ اڑائے ہوں گے
نامہ بر تو یونہی بے پر کی اڑا دیتے ہیں

کون کہتا ہے کہ دل بوسہ ہی لے کر دیں گے
مفت اگر چاہتے ہو لو بخدا دیتے ہیں

دل دیا یار کو ہم نے تو یہ بولے اغیار
دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ انھیں کیا دیتے ہیں

حرفِ مطلب کا زباں تک نہیں آنے دیتے
بات سے پہلے وہ باتوں میں اڑا دیتے ہیں

دولتِ وصل سے محروم نہ رکھنا ہم کو
ہم بھی اے بادشہِ حسن دعا دیتے ہیں

ساتھ وہ آئے ہیں رقیبوں کے عیادت کے لئے
اچھی بیمارِ محبت کو دوا دیتے ہیں

بعد مردن بھی کدورت نہیں جاتی مجھ سے
میری تربت کا نشاں آکے مٹا دیتے ہیں

سخت جانی کی جو مشکل تھی وہ آسان ہوئی
ہم تو قاتل کو شب و روز دعا دیتے ہیں

جوشِ وحشت میں ترے گیسوؤں کے سودائی
دھجیاں دامنِ صحرا کی اُڑا دیتے ہیں

اُن کے آمد کی جو مشتاق خبر سنتے ہیں
فرش آنکھوں کا سرِ راہ بچھا دیتے ہیں

حالتِ رقص میں وہ ہاتھ کمر پر رکھ کر
مجھ کو راہِ عدم آباد دکھا دیتے ہیں

کیا سخی ہیں ترے عشاق بھی ماشاءاللہ
نقدِ جاں وادیِ الفت میں لٹا دیتے ہیں

میرے پہلو میں غم و درد و الم ہیں اظہر
صاف گم گشتگیِ دل کا پتا دیتے ہیں

منہدی مل مل کے جو دریا میں بہا دیتے ہیں
آگ پانی میں یہ خوں ریز لگا دیتے ہیں

جب نقابِ رخِ پر نور اٹھا دیتے ہیں
دیکھنے والوں کے وہ ہوش اُڑا دیتے ہیں

لا کے دشمن کو مرے پاس بٹھا دیتے ہیں
وہ ہنسی کرتے ہیں ایسی کہ رلا دیتے ہیں

وصل میں لب سے جو لب مجھ سے ملا دیتے ہیں
سارے اندوہ جدائی کے بھلا دیتے ہیں

قتل کرتے ہیں نہ وہ دادِ وفا دیتے ہیں
نہ سزا دیتے ہیں مجھکو نہ جزا دیتے ہیں

آپ کا لطف بھی خالی نہیں بے لطفی سے
بوسہ دیتے ہیں مگر ہو کے خفا دیتے ہیں

اب نہ کرنا کبھی دشمن کی وفا کا مذکور
دل مرا ایسے ہی فقرے تو ہلا دیتے ہیں

صبر کس طرح مجھے آئے کہ وعدے اُن کے
ہیں جو بھولوں بھی تو وہ یاد دلا دیتے ہیں

میرے نالے بھی غضب ہیں کہ مرے گھر لا کر
مجھ سے اُس روٹھنے والے کو ملا دیتے ہیں

خاطرِ غیر سے کرتے ہیں عیادت میری
آبِ حیواں میں مگر زہر ملا دیتے ہیں

اپنے اس حسن کی خیرات عنایت کیجے
در پہ ہم ان کے فقیرانہ صدا دیتے ہیں

جب وہ ہنس ہنس کے رلانا مرا یاد آتا ہے
آ کے تربت پہ مرے اشک بہا دیتے ہیں

غیر کے ساتھ وہ آتے ہیں مرے مدفن پر
خاک میں سب مرے ارمان ملا دیتے ہیں

کچھ پتے کی جو کہی میں نے تو ہنس کر بولے
ایک گل آپ نیا روز کھلا دیتے ہیں

ہر گھڑی قتل پہ تیار جو ہو جاتے ہیں
حوصلے عاشقِ مضطر کے بڑھا دیتے ہیں

ان پری زادوں سے بس چل نہیں سکتا کوئی
حرفِ مطلب کو مرے صاف اڑا دیتے ہیں

جی جلاتے ہیں کڑھاتے ہیں ستاتے ہیں مجھے
دل لگانے کی مرے مجھ کو سزا دیتے ہیں

موردِ لطف ہوں ان کا وہ مقدر ہے کہاں
ہاں کبھی گالیاں دو چار سنا دیتے ہیں

عنبر و مشکِ ختا و ختن و سنبلِ تر
سلسلہ زلفِ مسلسل سے ملا دیتے ہیں

بے سبب گالیاں دیتے نہیں وہ اے اظہر
اپنے عاشق کی دعاؤں کا صلا دیتے ہیں

وہ تن تن کے جوبن جو دکھلا رہے ہیں
مرے دستِ گستاخ شہ پا رہے ہیں

وہ عینِ شبِ وصل آنکھیں بدل کر
زمانہ کا نیرنگ دکھلا رہے ہیں

شبِ وصل ہے اور خلوت کی جا ہے
عبث آپ اس وقت شرما رہے ہیں

نہ پوچھو غذا ہم غریبوں کی کیا ہے
سرشک اپنے پیتے ہیں غم کھا رہے ہیں

اٹھانے کی میرے ہیں غیروں سے باتیں
اشاروں سے جو آپ فرما رہے ہیں

پسِ مرگ توقیر اپنی ہوئی ہے
ہما استخوانوں پہ منڈلا رہے ہیں

جفا یاد کر کر کے محشر میں مجھ سے
ملاتے نہیں آنکھ شرما رہے ہیں

کریں شکوۂ جور ہم اُس سے کیوں کر
محبّت کی اپنے سزا پا رہے ہیں

ملے جاتے ہیں خاک میں میرے ارماں
وہ ہمراہ اغیار کو لا رہے ہیں

ذرا شیخ صاحب کو رندو سمجھنا
بہت دیر سے میرا سر کھا رہے ہیں

مجھے دے کے بوسہ شبِ وصل پوچھا
بتا اور ارمان کیا کیا رہے ہیں

لڑائی زباں گاہ ہونٹوں کو چوسا
مزے وصل میں اُن سے کیا کیا رہے ہیں

میں نیکی بدی خود سمجھتا ہوں ناصح
مجھے آپ ناحق بھی سمجھا رہے ہیں

تصوّر میں بوسوں کے اُس لعل لب کے
مزا ہونٹ لے لے کے پچھتا رہے ہیں

وفائیں مری یاد کر کر کے اظہر
وہ اب قتل سے میرے پچھتا رہے ہیں

فرقت کی بلا سر سے جو ٹل جائے تو جانیں
بگڑی ہوئی تقدیر سنبھل جائے تو جانیں

باتوں میں اُڑاتے ہو یہاں پر تو ہر اک کو
فقرہ کوئی محشر میں بھی چل جائے تو جانیں

ہر چند ابھی وصل کے وعدہ پہ ہی محکم
پر وقتِ وفا پر نہ مچل جائے تو جانیں

کیا خاک ہوا نالوں سے گر سنگ ہوئے موم
تھوڑا سا ترا دل بھی پگھل جائے تو جانیں

کیا جانیے ہی توڑ اُن کی نظر میں کہ نہیں ہی
دل توڑ کے یہ تیر نکل جائے تو جانیں

آتے ہیں دمِ نزع عیادت کو وہ اظہر
دم بھر کو جو آئی ہوئی ٹل جائے تو جانیں

ہاں کرے وصل پہ کہ یار نہیں | دونوں باتوں کا اعتبار نہیں

لائیں قابو میں کس طرح دل کو | بس نہیں اپنا اختیار نہیں

کون ہو وہ جو تیری شوخی سے | مثل سیماب بے قرار نہیں

ہیں خریدار سیکڑوں تیرے | مجھ پہ کچھ عشق کا مدار نہیں

اُن کی محفل میں ہائے عاشق کی | قدر مطلق نہیں وقار نہیں

میں کہوں کس سے داستاں غم کی | کوئی بھی اپنا غمگسار نہیں

بات بھی کان میں نہیں سنتے | ہائے اتنا بھی اعتبار نہیں

آگیا جس پہ آگیا واعظ | دل پہ کچھ اپنا اختیار نہیں

دیکھو اظہر ذرا بچے رہنا
بد بلا ہی یہ زلفِ یار نہیں

خنجر اُٹھائیو نہ تم اے سیم بر کہیں | ڈر ہے لچک نہ جائے تمھاری کمر کہیں

رونے سے رات دن ترے غم میں یہ خوف ہے | اشکوں کے ساتھ نکلیں نہ لختِ جگر کہیں

ہل ہل کے تیری یاد میں رویا ہوں زار زار | فرقت میں جب ملا ہے شجر یا حجر کہیں

روشن ہو آج خانۂ تار اپنا اے خدا | صورت دکھائے کاش وہ رشکِ قمر کہیں

اک دن کرے گی خون کسی بے قصور کا | جوہر دکھائے گی تری تیغِ نظر کہیں

آئینۂ مراد میں دیکھوں شبیہِ یار | یارب مری دعا کا دکھادے اثر کہیں

کیوں سامنا عدو کو نہ ہو شادیِ مرگ کا | مرنے کی اُس نے میرے سنی ہے خبر کہیں

اظہر ہو راہِ عشق میں تم ایسے بدحواس
گویا نہیں کیا ہے سفر پیشتر کہیں

تیر پر تیر لگا مشفق من سینے میں
ہونے پائیں نہ مرے زخم کہن سینے میں

گرچہ طالب ہے ہر اک عضو ترے ناوک کا
دل ہے مشتاق مگر خاصتاً سینے میں

شوخی کرتا ہے ہر اک بات پہ ضد کرتا ہے
دل نے بھی یار کے سیکھے ہیں چلن سینے میں

اس نے اٹھنے کا ارادہ جو کیا پہلو سے
بیٹھنا دم کو ہوا میرے کٹھن سینے میں

آبِ خنجر سے ترے پیاس بجھانے کے لئے
کھل رہے ہیں مرے زخموں کے دہن سینے میں

داغ سینے کے الٰہی نہ مٹیں پر نہ مٹیں
دل لگی کو رہے دل کے یہ چمن سینے میں

بس کہ دُر ہائے مضامیں کی ہے کثرت اس میں
دل ہمارا نہیں اظہر ہے عدن سینے میں

ہر گھڑی دم تمہارا بھرتے ہیں
جان و دل تم پہ صدقے کرتے ہیں

ڈالنا ہے وبال میں کس کا
بال جو ہر گھڑی سنورتے ہیں

مہر و مہ چھپتے ہیں خجالت سے
آپ جب سیرِ بام کرتے ہیں

حسن کے ظالم تری حقیقت ظلم
لوگ کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں

جو مجھے دیکھتا ہے کہتا ہے
ایسے بگڑے کہیں سنورتے ہیں

کس کی سنتے ہیں تیرے دیوانے
چاہتے ہیں سو کر گزرتے ہیں

ہو نہ راحت مقیم دل میں مرے
اس جگہ رنج و غم ٹھہرتے ہیں

ہم نہ آئیں گے تیرے دھوکے میں
ہم نے تجھ سے ہزاروں برتے ہیں

ہو ادھر بھی نگاہِ لطفِ حضور
ہم بھی دم عاشقوں میں بھرتے ہیں

دل پہ اظہر کے لوٹتا ہے سانپ
بال جب آپ کے بکھرتے ہیں

ہے امن راہِ عشق میں کچھ بھی تو ڈر نہیں
اک دل کا ہے خطر سو کچھ ایسا خطر نہیں

کیا تیغِ ناز کے ترے صدمے اٹھا سکے
ظالم مرا جگر ہے یہ کوئی سپر نہیں

دشمن ٹھہر نہ سکتے کبھی بزمِ یار میں
مشکل یہ ہے کہ واں تلک اپنا گزر نہیں

آیا نہ میرے حال پہ اس سنگ دل کو رحم
افسوس آہ و نالہ میں کچھ بھی اثر نہیں

مجھ کو جو یوں جلاتے ہو تم بات بات پہ
تاثیر آہ کی مرے شاید خبر نہیں

صدموں پہ صدمے دیتے ہو تم ہم کو اس طرح
گویا کہ دل نہیں ہے ہمارے جگر نہیں

کب سیرِ بحر و بر کی میسر نہیں ہمیں
کس دن لب اپنے خشک نہیں چشم تر نہیں

کہتے ہیں سن کے وہ شبِ غم کی مصیبتیں
سچ ہے یہ روئداد مگر اس قدر نہیں

اظہر امیر زندہ ہیں اصلاح کے لیے
پروا نہیں ہے ناسخ و آتش اگر نہیں

ہم کہیں دل لگائے بیٹھے ہیں
جان سے ہاتھ اٹھائے بیٹھے ہیں

کاٹ کھایا ہے کیا کسی نے گال
آپ کیوں منہ سجائے بیٹھے ہیں

اس طرف وہ کھڑے ہیں تیغ بکف
ہم ادھر سر جھکائے بیٹھے ہیں

یاد میں تیرے سبزۂ خط کی
ایک دن زہر کھائے بیٹھے ہیں

جب سے وہ اُٹھ گیا ہی پہلو سے
ہاتھ سے دل دبائے بیٹھے ہیں

آہِ شب گیر و نالۂ سحری
اک قیامت اُٹھائے بیٹھے ہیں

ہم نے اُس گل کا گر لیا بوسہ
غیر کیوں خار کھائے بیٹھے ہیں

مفت ہو جائے گا کسی کا خوں
آپ کیوں پان کھائے بیٹھے ہیں

دیکھو دیکھو تمھارے مردمِ چشم
سوتے فتنے جگائے بیٹھے ہیں

ہم وہ عاشق ہیں یار پہ اپنے
اپنا سکّہ جمائے بیٹھے ہیں

گر یہی رہزنی ہے زلفوں کی
جان و دل ہم لُٹائے بیٹھے ہیں

ہم سے اُس شاہِ حسن کے در پہ
لاکھوں دھونی رمائے بیٹھے ہیں

اک دن اہلِ عدم کی یاد میں ہم
نقشِ ہستی مٹائے بیٹھے ہیں

تا نہ پھڑیں دل میں اُٹھنے لگے
اُن کا زانو دبائے بیٹھے ہیں

دیکھو اظہر نہ چھیڑنا اُس کو
لوگ اپنے پرائے بیٹھے ہیں

افشاں نظر آئی جو تری زلفِ دوتا میں
دھوکا ہوا جگنو کے چمکنے کا گھٹا میں

معلوم نہیں کیوں ہیں سزاوارِ خطا ہم
کیا جانئے راندے گئے کس جرم و خطا میں

زاہد بھی اُسے دیکھے تو ہو جائے مری طرح
وہ شرم میں شوخی وہ شرارت ہی حیا میں

جس روز سے ہوں شیفتۂ زلفِ مسلسل
جنجال میں اُلجھا ہوں پھنسا ہوں میں بلا میں

مہندی کا نہیں رنگ یہ پوروں پہ تمہارے
بلّور کی چھڑیوں پہ ہیں یاقوت کی شنا میں

غم کھاتا ہوں فرقت میں ترے پیتا ہوں آنسو
دو چیزیں یہ دو روز سے ہیں میری غذا میں

رہتے ہیں جہاں بھر کے حسیں جمع مرے پاس
حاصل تھا کہاں لطف یہ اندر کی سبھا میں

جو کانٹا لگا راہ میں تیرے نہ نکالا
وہ جزوِ بدن کر کے رکھا ہے کفِ پا میں

رخسار پہ کب آپ نہیں ملتے ہیں غازہ
مشغول ہیں آئینہ کی ہر وقت جلا میں

کیا تم نے کیا جاتے ہیں نکلے جگر و دل
فرمایئے اب ہم کسے روکیں کسے تھا میں

پھر اب وہی ہم ہوں گے وہی دشت نوردی
پھر ہوتی ہے کھجلی کئی دن سے کفِ پا میں

تسکینِ دلِ عاشق کو ہوئی کیا کوئی پوچھے
کیا خاک ملا بوسۂ نقشِ کفِ پا میں

مشّاق ہو استاد ہو کامل ہو مری جان
قہر و غضب و ظلم و ستم جور و جفا میں

مرتا ہوں میں اس پر قُمِ عیسیٰ کا اثر ہے
پازیب کی جھنکار میں گھنگرو کی صدا میں

گل پھولے سماتے نہیں کس واسطے اظہر
کیوں بادِ صبا بھر گئی ہے ایسی ہوا میں

دل ہاتھ سے جاتا ہے جو ہاتھوں سے بھی تھا میں
سو سو ہیں ادائیں تری اک ایک ادا میں

یہ ہے مرضِ عشق نہیں جس کا مداوا
کیوں اتنی دوا دوش ہے عزیزوں کو دوا میں

شامِ شبِ وصلت ہو سحر دیکھئے کیوں کر
کچھ دیر سے تکرار ہے شوخی و حیا میں

اُس طفل کو دل دے کے بنوں کس لئے نادان
کیوں اچھی بھلی جان پھنساؤں میں بلا میں

اس عشق نے عقل و خرد و ہوش کو کھویا
کم بخت نے کیا تفرقہ ڈالا رفقا میں

دوں ہڈی اُسے اپنے سگِ یار کے بدلے
فرمائیے سرخاب کا کیا پر ہے ہما میں

وہ چاروں طرف خلق میں مشہور ہیں یکتا
انداز میں غمزے میں کرشمہ میں حیا میں

ہیں دونوں ہی یہ تاج کے اور تکیہ کے مالک
پھر فرق رہا کون سا شاہ و فقرا میں

انصاف کرو غیر کو کیوں رشک نہ آئے
ہیں رُوٹھ کے چل دوں وہ مجھے دوڑ کے تھامیں

بوسہ کے عوض جوتی لگے غیر کے مُنھ پر
مُنھ زور جو ہوں اُن کو ہوں ایسی ہی لگامیں

اب دیکھیں خدا کرتا ہے فن میں کسے غالب
کامل ہیں وفا میں ہوں وہ مشہور جفا میں

اُس بت پہ سبھی مرتے تھے اک ہم ہی بچے تھے
تقدیر سے آج آگئے لو ہم بھی وبا میں

آجاتا ہے جب یاد اُچھل پڑتا ہوں اظہر
کہنا وہ شبِ وصل کسی کا کہ دبا میں!

کم جاں کنی سے کب ہے اگر انتظار ہو
مر جائے پر کسی کا نہ اُمّیدوار ہو

ابرو تری ملے دلِ دشمن شکار ہو
جو تیرے سامنے ہو قضا سے دوچار ہو

ڈرتا ہوں عرض کرتے ہوئے دل کا مدعا
ایسا نہ ہو کہیں کہ تمھیں ناگوار ہو

نالہ سنا جو میرا تو یوں ہنس کے کہہ دیا
یہ تیر وہ نہیں جو کلیجے کے پار ہو

میں مر مٹا مگر نہ کدورت مری مٹی
اس رنج بھی نہ دل میں کسی کے غبار ہو

اچھی نہیں ہے صحبتِ اغیار رات دن
ہم آہ کھینچتے ہیں ذرا ہوشیار ہو

کیا مجھ سے پوچھتے ہو جفاؤں کی انتہا
تم اپنے دل میں آپ ذرا شرمسار ہو

اغیار ہوں مصاحب و ہمراز آپ کے
افسوس دشمنوں میں ہمارا شمار ہو

مے ہے گھٹا ہے باغ ہے یہ سب تو ہے مگر
تو بھی بغل میں ہو تو زیادہ بہار ہو

قول و قسم تو آپ کے سب آزما چکے
اب کس طرح سے ہم کو بھلا اعتبار ہو

تلوار لے کے ہاتھ میں کیجیے امتحاں
مانند میرے کوئی بھی جو جاں نثار ہو

کٹ جائے عشقِ ابروئے قاتل میں زندگی
کشتی ہو اپنی عمر کی خنجر کی دھار ہو

پھولا پھلا رہے چمنِ حسن آپ کا
ہم باغ باغ ہوں دلِ اعدا کو خار ہو

فریاد اور فغاں کوئی کرتا ہے رات بھر
اغلب یہی ہے اظہرِ شب زندہ دار ہو

حسرت ہے جان دے دیں عدو میری موت پر
اظہر جو کوئے یار میں اپنا مزار ہو

قیدِ ہستی سے کیا آزاد مجھ ناشاد کو
حشر تک دوں گا دعائیں بازوئے جلاد کو

رحم مجھ پر کیوں نہیں آتا ستم ایجاد کو
ساز تو تم سے نہیں ہے چرخِ بے بنیاد کو

وصل میں جب ہم بغل مجھ سے ہوا وہ ماہ رو
حسرتیں دل سے نکل آئیں مبارکباد کو

سخت جانی سے مرے محروم ارماں رہ گئے
آزمانے لائے تھے وہ خنجرِ فولاد کو

اس نگاہِ یاس سے بسمل نے دیکھا وقتِ قتل
آپ اپنی جان کے لالے پڑے جلاد کو

ہے شگافِ سینۂ مجروح پتھر کی لکیر
میں قیامت تک نہ بھولوں گا تری بیداد کو

مجھ سے عہدِ وصل پر کھاتا ہے دشمن کی قسم
یہ نئی طرزِ جفا سوجھی ستم ایجاد کو

جسم نازک پھول سے بڑھ کر ہے دل پتھر سے سخت
آپ ہی دیکھیں ذرا اس مجمع اضداد کو

اک تری تصویر نے دونوں کو حیراں کر دیا
ہو گیا سکتہ سا آخر مانی و بہزاد کو

ان بتوں کی بے نیازی گر رہی یارب یونہیں
کون محشر میں سُنے گا نالہ و فریاد کو

ننگ عریانی سے خار دشت کیوں آخر کو ہی
حاجتِ ملبوس کیا عریانِ مادرزاد کو

جنبشِ دامن سے کہتا ہی مرا مشتِ غبار
پھل ملے گا کیا ستا کر خانماں برباد کو

شکوۂ گستاخیِ دستِ ہوس کیا وصل میں
ایک دن تو شاد ہونے دیجیے ناشاد کو

بھول کر بھی نام میرا تا بہ لب آتا نہیں
کیوں نہ ہو میں مانتا ہوں آپ کی اس یاد کو

کچھ نہ کچھ تو سیر دل کش ہی کہ یوں دے دے کے جان
جاتی ہی صبح و مسا خلقت عدم آباد کو

وقتِ گلگشت اے سہی قد خوش خرامی نے تری
پا بگل صحنِ گلستاں میں کیا شمشاد کو

وہ پھریں بے باک کوئے غیر میں ممکن نہیں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں شاید اظہرِ ناشاد کو

اے پاسِ ضبط دردِ کسی پر عیاں نہ ہو
نالہ نہ ہو بُکا نہ ہو آہ و فغاں نہ ہو

لازم ہی سوزِ قلب کسی پر عیاں نہ ہو
مٹی کی طرح جلیے کہ مطلق دھواں نہ ہو

شیریں شبِ وصال میں بھی کام جاں نہ ہو
جب تک تمہارے منہ میں کسی کی زباں نہ ہو

یارب کسی کا نخلِ تمنا خزاں نہ ہو
فصلِ بہار میں کوئی بے آشیاں نہ ہو

پاسِ وفا تڑپنے میں بسمل ضرور ہی
محنت تمام عمر کی ہاں رائیگاں نہ ہو

سمجھے ہوئے ہیں قصۂ مجنوں جسے حضور
کچھ غور سے سنا تھا مری داستاں نہ ہو

لاشے کو بھی مرے وہ لگاتا نہیں ہی ہاتھ
ڈرتا ہی بدگماں کہ کہیں اس میں جاں نہ ہو

مسّی چھُٹی ہوئی ہی پریشاں ہیں سر کے بال
پھر کیا سبب کہ تم سے کوئی بدگماں نہ ہو

جورِ فلک سے تنگ ہوں اے گردشِ نصیب لے چل مجھے وہاں کہ جہاں آسماں نہ ہو

ای دل سمجھ کے کوچۂ الفت میں رکھ قدم بیٹھے بٹھائے مفت میں بے خانماں نہ ہو

بوسہ طلب کیا ہی کچھ ایسی خطا نہیں اس درجہ مجھ پہ گرم تو جانِ جہاں نہ ہو

قول و قسم کا ہم کو یقیں آئے کس طرح قابو میں جب تمھارے تمھاری زباں نہ ہو

سرگوشیاں ہیں غیر سے محفل میں دمبدم کہتے ہیں پھر یہ مجھ سے کہ تو بدگماں نہ ہو

ڈرتا ہوں میں تو لطف و کرم سے بھی آپ کے اس میں بھی ظلم کا کوئی پہلو نہاں نہ ہو

آوازِ صور سُن کے نکلنے لگا جو دم دھوکا ہوا مجھے کہ سحر کی اذاں نہ ہو

آیا ہی یار پھول چڑھانے مزار پر کیوں موسمِ بہار ہماری خزاں نہ ہو

مرنے سے میرے اور وہ ہو جائے بدگماں ایسا بیاں تجھ سے کہیں نوحہ خواں نہ ہو

ہوتا نہ طاق جور کی گھاتوں میں اس قدر ممکن نہیں مرید ترا آسماں نہ ہو

سُنئے نہ غور سے کہ کلیجہ دہل نہ جائے افسانہ ہے غیر مری داستاں نہ ہو

مال و متاع کی تو حقیقت نہیں ہی کچھ تم سے سوا عزیز مجھے اپنی جاں نہ ہو

رونے سے رات دن ترے اظہر یہ خوف ہی
دردِ فراقِ یار کہیں جاں ستاں نہ ہو

روز کا خوب نہیں ہی یہ بہانا دیکھو میری بر لاؤ کسی دن تو تمنا دیکھو

ہر گھڑی گالیاں دینا نہیں اچھا دیکھو میں بھی کہہ بیٹھوں گا کچھ پر نہ ہو شکوا دیکھو

آہ مظلوموں کی ای جان بُری ہوتی ہی ہر گھڑی میرا ستانا نہیں اچھا دیکھو

دوسرے وار کی بسمل پہ شتابی کیا ہے
کوئی لمحہ تو تڑپنے کا تماشا دیکھو

نزع کا وقت ہے لے جاؤں گا حسرت دل میں
نظرِ رحم کرو مجھ کو خدا را دیکھو

خاک میں مجھ کو ملاؤ گے تو پچھتاؤ گے
مجھ سا پھر چاہنے والا نہ ملے گا دیکھو

لوگ تھک تھک گئے سمجھا کے اثر کچھ نہ ہوا
تم بھی دیوانہ کو اپنے ذرا سمجھا دیکھو

غیر پر تو رہی مبذول عنایت کیا کیا
پیار سے تم نے کبھی مجھ کو نہ دیکھا دیکھو

دین و دنیا سے مجھے کھو چکے پہلے اے جان
اور پھر بن گئے انجان تماشا دیکھو

کیوں جلاتے ہو کہیں تم نہ جلائے جاؤ
بد برے کام کا ہوتا ہے نتیجا دیکھو

ملتے چھپ چھپ کے ہو اغیار سے بالا بالا
دیکھو دیکھو نہ کسی دن کہیں نیچا دیکھو

تم کو اک بوسے کے دینے میں ہے کیا کیا حجت
ہم کو دل دینے میں پروا نہیں اصلا دیکھو

جان دی راہِ محبت میں نہ کی اُف منہ سے
اپنے جانباز کا دل دیکھو کلیجا دیکھو

ق

شیخ جی تھوڑی سی پی لو کہ ہے اللہ غفور
ایسا موقع کبھی کاہے کو ملے گا دیکھو

ابر ہے، باغ ہے، ساقی بھی ہے کیا ہی گل رو
سارے اسباب ہیں عشرت کے مہیا دیکھو

ماہ رو رہتے ہیں اظہر کی بغل میں دن رات
کیا ہی چمکا ہے مقدر کا ستارا دیکھو

کر ترک اے ترک اس جفا کو
دکھلاتا ہے منہ کبھی خدا کو

ابرو کا دیا عدو کو بوسہ
کیا طاق پہ رکھ دیا حیا کو

اب تو نہ جلا مجھے تپ غم
بس بس میں پہنچ گیا سزا کو

اغماض کا نام گرا دا ہے
ہے میرا سلام اس ادا کو

تاراج کئے دلوں کے عالم
شاباش ہے نازِ دلربا کو

ابرو و مژہ ہیں دونوں سفاک
چنگیز ہے یہ تو وہ ہلاکو

اظہر ہوا گل چراغ بلبل
سن کر مرے نالۂ رسا کو

بن کے مومن جائے کیوں کعبہ کو کافر کیوں نہ ہو
تیرا عاشق جبہہ سا تیری ہی در پر کیوں نہ ہو

غیرت لیلیٰ و عذرا تو جو سمجھا آپ کو
قیس و وامق سے ترا دیوانہ بڑھ کر کیوں نہ ہو

ماہرو سکتے میں ہیں صورت کو تیری دیکھ کر
آئنہ کیا چیز ہے حیران و ششدر کیوں نہ ہو

رحمۃ للعالمین ہے جس کی اک ادنیٰ صفت
ذات کا اس کی بھروسا روز محشر کیوں نہ ہو

سر پھرا ہے کیا جو شکوہ جور گردوں کا کروں
وہ ترا شاگرد ہے ظالم ستمگر کیوں نہ ہو

ذبح اوروں کو کرو عاشق کے ہوتے قہر ہے
آب سے خنجر کی پیاسے کا گلا تر کیوں نہ ہو

تجھ پہ مرنے کا اٹھایا جس نے لطف اس کو ہوس
زندہ ہو کر پھر شہادت کی مکرر کیوں نہ ہو

ناز اپنے جرم و عصیاں پر ترا بے جا نہیں
نام لیوا کس کا کہلاتا ہے اظہر کیوں نہ ہو

بات کیا ہے عشق میں گر جذبہ کامل نہ ہو
جس کو ہم چاہیں یہ ممکن ہے کہ وہ مائل نہ ہو

زندگی آسان نہیں ہے گر فراقِ یار میں
ناتوانی سے مجھے مرنا بھی کیوں مشکل نہ ہو

ایک بوسہ کے طلب پہ دیں ہزاروں گالیاں
گر کہا مانے مرا کوئی کبھی سائل نہ ہو

بے حجابانہ اُٹھائیں لطفِ وصل اُس شوخ سے
ہاں گھڑی بھر کو حیا بھی پردہ حائل نہ ہو

ہیں یہ خوں ریز، ان کا باطن سرخ ہے مثلِ حنا
ان بتوں کی سبز رنگی پر کوئی مائل نہ ہو

بات کا میری کبھی سیدھا نہیں دیتا جواب
پیش بندی ہے کہ بوسہ کا کوئی سائل نہ ہو

اس ضعیفی میں تعجب ہے کہ یہ طرزِ ستم
وہ ستمگر آسمانِ پیر کا شامل نہ ہو

رہ کے پہلو میں مرے بھرتا ہے دم اُس شوخ کا
اس طرح بھی دشمنِ جانی کسی کا دل نہ ہو

وصل میں ہے یہ تقاضائے دلِ پُر آرزو
پردہ ہائے چشم بن کر بھی حیا حائل نہ ہو

ہیں اگر بے فیض یوسف بھی تو پھر کس کام کے
کیا کروں گا یار تجھ سے کچھ بھی گر حاصل نہ ہو

ہے غلط عذرِ نزاکت، جھوٹ ہے پاسِ حیا
اور سب سچ ہے اگر پیارے تمھارا دل نہ ہو

بادہ نوشوں کی دعا ہر دم یہی ہے اے خدا
تا قیامت دخترِ رز پردہ کے قابل نہ ہو

اضطرابِ نزع سے دھبّا نہ لگ جائے کوئی
دامنِ شمشیر یارب دامنِ قاتل نہ ہو

خوف ہے انجامِ قیس کو لیکن سن سن کے یہ
میری بھی کوشش الٰہی سعی لاحاصل نہ ہو

ناز ہے قاتل تجھے جس شوخیِ بیداد پہ
وہ بھی کوئی اضطرابِ دیدۂ بسمل نہ ہو

بن ترے تاریک ہے اظہر کی آنکھوں میں جہاں
دل لگی کیا خاک تو گر زینتِ محفل نہ ہو

ظہورِ احد شانِ یزداں تمھیں ہو
صفاتِ ملائک کے انساں تمھیں ہو

نہیں حسن میں کوئی ثانی تمھارا
خجل جس سے ہو ماہِ کنعاں تمھیں ہو

سلاطینِ عالم ہیں چاکر تمھارے
مطاعِ جہاں شاہ شاہاں تمھیں ہو

تمھارے فضائل سے مملو ہی قرآں معرّف ہی خود جس کا یزداں تمھیں ہو
نکاتِ کلامِ الٰہی بتائے حقیقت میں تفسیرِ قرآں تمھیں ہو
تمھارے ہی دم سے زمانہ ہی روشن تجلّی دہِ بزمِ امکاں تمھیں ہو
جو پیرو تمھارے ہیں پیارے ہیں حق کے حقیقت میں محبوبِ یزداں تمھیں ہو
نہیں آرزو کچھ بھی ہرگز کسی کی تمنّا تمھیں میرے ارماں تمھیں ہو
تمھارا بھروسا ہی محشر میں ہم کو شفیعِ گنا ہانِ مایاں تمھیں ہو
نہیں ہی سروکار دیر و حرم سے مرے دیں تمھیں میرے ایماں تمھیں ہو

لکھے نعت میں خوب اشعار اظہر
بس اب اس زمانہ کے حسّاں تمھیں ہو

سو جان سے ہوں عاشق و شیدائے مدینہ کیوں وردِ زباں میرے نہ ہو ہائے مدینہ
جنّت میں عجب کیا ہی جو یاد آئے مدینہ راحت سے ہی بہتر کہیں ایذائے مدینہ
ہوں خواب ہی میں دیدِ مدینہ سے مشرف اے کاش یونہی مجھکو نظر آئے مدینہ
رتبہ میں ہی یثرب کی زمیں چرخ سے برتر بہتر ہی کہیں خلد سے صحرائے مدینہ
ہیں دیدِ مدینہ کے ندیدے مرے دیدے اللہ کہیں جلد انھیں دکھلائے مدینہ
مولائے مدینہ کی ہی الفت مرے دل میں ہو سر میں سمایا ہوا سودائے مدینہ
ہو دسترس اتنی کہ شب و روز لگاؤں آنکھوں میں بعوض سرمہ کے غبرائے مدینہ
اوّل ہوں میں کعبہ کی زیارت سے مشرف پھر شوق مجھے کھینچ کے لے جائے مدینہ

پہنچا دے مدینہ میں تو واقف ہے الٰہی ۔ مدت سے ہیں ہم طالبِ جویائے مدینہ

بخت اُن کے نصیب اُن کے مقدر ہیں اُبھر کے ۔ جو لوگ کہ ہیں بادیہ پیمائے مدینہ

یا رب ہے شب و روز یہ اظہر کی تمنا
دل سے نہ مٹے نقشِ تمنائے مدینہ

جفا و جور کے سہنے کی عادت ہوتی جاتی ہے ۔ طبیعت خوگرِ رنج و مصیبت ہوتی جاتی ہے

ہمارے حال پر اُن کی عنایت ہوتی جاتی ہے ۔ دعا کچھ کچھ تو مقرونِ اجابت ہوتی جاتی ہے

مرے اقوال کی جب جب صداقت ہوتی جاتی ہے ۔ رقیبِ روسیہ سے اُن کو نفرت ہوتی جاتی ہے

ہجومِ یاس ہے حرماں کی کثرت ہوتی جاتی ہے ۔ ہمارے دل پہ اب غم کی حکومت ہوتی جاتی ہے

دمِ آخر بھی باز آتے نہیں دل کو دکھانے سے ۔ ہماری سخت جانی کی شکایت ہوتی جاتی ہے

وفائیں یاد کر کے مری پچھتاتے ہیں بیجا ۔ اُنھیں اپنے کیے پر خود ندامت ہوتی جاتی ہے

تراشا کرتے ہو مضموں انوکھے دل دکھانے کو ۔ ستم میں بھی نئی ہر روز جدت ہوتی جاتی ہے

دمِ آخر تو اے رشکِ مسیحا شکل دکھلا دے ۔ ترے بیمارِ غم کی غیر حالت ہوتی جاتی ہے

چڑھاتے ہیں حسینانِ جہاں گل آ کے مرقد پر ۔ زیارت گاہِ خوباں میری تربت ہوتی جاتی ہے

سنا ہے بن گیا ہے وہ تمھارے دوستداروں میں ۔ مجھے بھی اب تو دشمن سے محبت ہوتی جاتی ہے

سوالِ بوسہ کی ہمت عدو کو غیر ممکن تھی ۔ تمھارے منھ لگانے سے یہ جرأت ہوتی جاتی ہے

غرورِ حسن تم پر اپنا قبضہ کرتا جاتا ہے ۔ اسی سے اب آنکھوں کی مروت ہوتی جاتی ہے

عجب ہے تیری زلفوں کا اثر تجھ پر نہیں ہوتا ۔ مجھے تو دیکھنے سے ان کے وحشت ہوتی جاتی ہے

رہا کرتی ہے اکثر نوک مژگاں کی خلش دل میں
بس اب تو تیر نگہوں پر قناعت ہوتی جاتی ہے

شبِ وعدہ یہاں آنے کو وہ گھر سے تو نکلے ہیں
مگر ہر ہر قدم مانع نزاکت ہوتی جاتی ہے

گزر اُس مہ جبیں تک اب بھی کسی دن ہو ہی جائے گا
سگ دربان سے کچھ صاحب سلامت ہوتی جاتی ہے

نکالے جا رہے ہیں میرے ارماں غیر کی صورت
بحمد اللہ ! ظہر اُن سے خلوت ہوتی جاتی ہے

چند دن کر کے دل دہی دل کی
تم نے عادت بگاڑ دی دل کی

ہے ہر انداز جان کا گاہک
ہر ادا اُن کی مشتری دل کی

کر کے زخمی نگاہِ الفت سے
تم نے پوچھی نہ بات بھی دل کی

کر رہا ہوں رقیب کی منت
ہے بُری چیز بے خودی دل کی

تم نے اک بات بھی نہ کی ہنس کر
نہ کھلائی کبھی کلی دل کی

لے کے مجھ سے کیا عدو کی سپرد
آپ نے قدر خوب کی دل کی

سسکیاں بھر رہے ہو خیر تو ہے
کیسی حالت ہے شیخ جی دل کی

اس کو کیا جانو حضرتِ ناصح
بد بلا ہوتی ہے لگی دل کی

اُس جفا جو کو دے دیا ظہر
تم نے مٹی خراب کی دل کی

کبھی جو کوچۂ قاتل میں آ نکلتی ہے
تو اپنی جان بچائے قضا نکلتی ہے

بُرا نہ ماننا دانستہ چھیڑتا ہوں تمہیں
تمہارے غصے میں بھی اک ادا نکلتی ہے

ہمارے باغِ تمنّا کی سیر کر دیکھو — ہر ایک پھول سے بوئے وفا نکلتی ہی
شبِ وصال ہیں بے باک اُن کو کر لوں گا — بس ایک آن میں شرم و حیا نکلتی ہی
بُرائیوں سے نہ چوکیں گے وہ قیامت تک — گرہ پڑی ہوئی دل میں بھلا نکلتی ہی
تمھارے ظلم کی برداشت اب نہیں ہوتی — کلیجہ تھام لو آہِ رسا نکلتی ہی
یہ لطف دیکھو وہ دیتے ہیں گالیاں ہم کو — عوض میں منھ سے ہمارے دعا نکلتی ہی
کیا ہی قتل جو اُس گل نے دستِ رنگیں سے — ہمارے خون سے بوئے حنا نکلتی ہی
بنایا غیر نے اُن کو بگڑ گئے مجھ سے — قصور کس کا ہی کس کی خطا نکلتی ہی
کلیجہ تھام کے ہاتھوں سے بیٹھ جاتے ہیں — ہمارے منھ سے جو آہِ رسا نکلتی ہی
بس ایک وار میں قاتل مٹا دیا جھگڑا — دہانِ زخم سے میرے دعا نکلتی ہی
ہوا ہی شہرۂ آفاق شورِ سفّا کی — تمھارے کوچہ سے بچ کر قضا نکلتی ہی
نگاہِ گرم سے دیکھا رقیب کو نہ کبھی — ہمیں پہ آپ کی تیغِ جفا نکلتی ہی
تمھاری سادگی کافی ہی قتل عاشق کو — بلا کی آن غضب کی ادا نکلتی ہی

تمھاری جان کا اظہر ہی اب خدا حافظ
وہ دیکھو میان سے تیغِ ادا نکلتی ہی

ہم نے اک بوند نہ پائی ترے پیمانے سے — ساقیا جاتے ہیں محروم ہی میخانے سے
آکے چھاتی سے لپٹ جا کہ سکوں ہو دل کو — کیا ملے گا تجھے ظالم مرے تڑپانے سے
اک ذرا سنئے تو دلچسپ ہی قصہ میرا — نیند آجائے گی فوراً مرے افسانے سے

کوئی موقع نہیں ملتا ہے نکلنے کے لیے
ضیق میں ہیں مرے ارمان ترے شرمانے سے

سچ ہی یہ بات لگی دل کی بری ہوتی ہے
حال سوزش کا کوئی پوچھے پروانے سے

خواہشِ وصل پہ میری یہ کہا شرما کر
ہم جھجکتے تھے اسی سے ترے گھر آنے سے

ہوتے گستاخ نہ یوں دستِ تمنا ہرگز
مل گئی شہ ترے جوبن کے ابھر آنے سے

حالتِ دردِ جگر ان کو سناؤں کیوں کر
ہو گئی ہے انھیں نفرت مرے افسانے سے

آب و دانہ سے سروکار نہیں ہے مطلق
ہو گئی ہے مری سیری ترا غم کھانے سے

ہم تو اک قطرۂ مے کو بھی ترستے ہی رہے
خم بھرے غیروں نے ساقی تری مے خانے سے

منھ سے کہہ بیٹھوں گا کچھ چھیڑ نہ مجھ کو واعظ
دیکھ الجھنا نہیں اچھا کسی دیوانے سے

دخترِ رز کے تعلق سے تھا انکار آظہر
آج دیکھا ہے نکلتے تمھیں مے خانے سے

گلہ جور و جفا کا کچھ نہیں ہے اس ستمگر سے
شکایت ہے اگر ہم کو تو ہے اپنے مقدر سے

ہوا ہے اس قدر دل شاد وصلِ ماہ پیکر سے
کہ ہم چشمی کا دعویٰ رکھتا ہے بخت سکندر سے

سحر ہوتے کبھی اس کی نہیں دیکھی ہنسی ہم نے
شبِ فرقت درازی میں بڑی ہے روزِ محشر سے

ترے ابرو کے عاشق ہو کے سر تلوار سے جوڑا
ہمارا کام تو کچھ بھی نہ نکلا تیرے خنجر سے

ذرا سی دیر لیٹا تھا مرے پاس آ کے وہ گل رو
مہک پھولوں کی آتی ہے ابھی تک میرے بستر سے

ستانا بے گنہ کا جانِ من اچھا نہیں ہوتا
نہ نکلے بد دعا دیکھو ہمارے قلبِ مضطر سے

چھپایا رازِ وصلِ غیر تم نے تو بہت لیکن
حقیقت کھل گئی ساری شکن آلودہ بستر سے

دم رخصت بہت کچھ جبر کرتا ہوں طبیعت پر — مگر دل خود بخود میرا بھرا آتا ہی اندر سے

مہ کامل تو خود داغی ہی وہ کیا تم سے بخشیگا — مقابل ہو نہیں سکتا تمھارے روئے انور سے

تمھاری بد مزاجی سے ہمیشہ خوف رہتا ہی — جو دل کا مدعا ہی کہہ نہیں سکتا ہوں میں ڈر سے

نہ ہوویں منہم دشمن میں بھی ایسی ذلتیں حاصل — بہت بے آبرو ہوکر چلے ہیں ہم ترے گھر سے

عبث اُس سنگدل سے رکھتے ہو چشم وفا ظاہر
کبھی مطلب برآری ہو نہیں سکتی ہی پتھر سے

دم جاں کنی دیکھی صورت تمھاری — رہی دل میں جاں بن کے حسرت تمھاری

نہیں مجھ پہ اب وہ عنایت تمھاری — بدل ہی گئی کچھ طبیعت تمھاری

ستائے نہ اب مجھ کو الفت تمھاری — نکل جائے نالوں میں حسرت تمھاری

تمھارا طرفدار پہلو میں دل ہی — میں کس دل سے کرتا شکایت تمھاری

تمنائے دیدار ہی حد سے افزوں — خدا جانے کب ہو زیارت تمھاری

براہ عنایت اسے منع کر دو — ستاتی ہی مجھ کو محبت تمھاری

مریض تپ غم کو کیا پوچھتے ہو؟ — تمھارا کرم ہے عنایت تمھاری

سُنانے کو میرے شکایت عدو کی؟ — سمجھتا ہوں میں سب شرارت تمھاری

بس اک بوسہ دینے میں کرتے ہو حجت — چلو دیکھ لی ہم نے ہمت تمھاری

میں کنج لحد میں بھی تنہا نہیں ہوں — یہاں بھی ہی ہمراہ حسرت تمھاری

مزہ دل لگانے کا کیا جانو ناصح — میں کس طرح مانوں نصیحت تمھاری

وہی رات دن میرے پیش نظر ہے
جگہ کر گئی دل میں صورت تمہاری

یونہی رہنے دو منہ نہ کھلواؤ ناصح
نہیں مجھ سے پوشیدہ حالت تمہاری

نہیں جاتے ہم کنج مرقد میں تنہا
لیے جاتے ہیں ساتھ حسرت تمہاری

مرا نام پوچھے تو قاصد یہ کہنا
کسی سے تھی صاحب سلامت تمہاری

نہ نکلوں گا چاہ زنخداں میں گر کر
کنوئیں میں ڈبوئے گی چاہت تمہاری

بچی جان مری تم سے خنجر نہ سنبھلا
بہت آڑے آئی نزاکت تمہاری

مری سرد آہیں پتا دے رہی ہیں
عدو سے ہوئی گرم صحبت تمہاری

نہ دیکھا ہو حوران جنت کو جس نے
وہ دیکھے یہاں آ کے صورت تمہاری

دبا میں نے دل ورنہ کی قدر تم نے
وہ میرا جگر تھا یہ ہمت تمہاری

نہ صبح شب وصل جیتا بچوں گا
مجھے مار ڈالے گی رخصت تمہاری

غزل عاشقانہ لکھی خوب اظہر
بڑی چلبلی ہے طبیعت تمہاری

جب وہ شب وصال ہم آغوش ہو گئے
ایام ہجر خواب فراموش ہو گئے

پٹی پڑھائی جو تمہیں غیروں نے یاد ہے
ہم سے جو قول تھے وہ فراموش ہو گئے

کیا جانے کس کے دھیان نے لب بند کر دیئے
تم وعدہ کرتے کرتے جو خاموش ہو گئے

آہٹ پہ کان تھے شب وعدہ لگے ہوئے
ہم انتظار میں ہمہ تن گوش ہو گئے

تم کو تو مرگ غیر کا مطلق نہیں ہے رنج
گیسو یہ کس کے غم میں سیہ پوش ہو گئے

قسمت کی کوتہی شبِ وعدہ بھی تھی وہی
ہم تابشِ جمال سے بیہوش ہو گئے

کٹتی ہے اب تو رنج و مصیبت میں زندگی
وہ اگلے عیش خوابِ فراموش ہو گئے

منظور گر یونہی تھا تو آتے نہ سامنے
صورت دکھا کے کیوں مجھے روپوش ہو گئے

تدبیرِ وصلِ یار سکھائی رقیب نے
جو نیش تھے وہ میرے لیے نوش ہو گئے

اچھی طرح نظارہ بھی اُس کا نہ کر سکے
ہم تو نظر کے ملتے ہی بیہوش ہو گئے

اب کیا غرض ہے بادۂ انگور سے ہمیں
جامِ شرابِ عشق سے مدہوش ہو گئے

رکھا نہ تم نے کشتہ کا کل تک اپنے سوگ
اعدا بھی میرے غم میں سیہ پوش ہو گئے

مدت سے آپ پر تھا تقاضا رقیب کا
سر کاٹ کر ہمارا سبکدوش ہو گئے

ق

اک بوسہ کے سوال پہ دیں تم نے گالیاں
اتنی ذرا سی بات پہ پرجوش ہو گئے

دی تھی زباں ہمیں بھی خدا نے پئے جواب
پر کچھ سمجھ کے سوچ کے خاموش ہو گئے

اغیار کا تو حال سُنا تم نے غور سے
نوبت جو میری آئی گراں گوش ہو گئے

سُنتے ہیں آج حضرتِ اظہر سے پارسا
خلوت میں دخترِ رز سے ہم آغوش ہو گئے

کیا ان کے آگے ہستی ہے ہفت آسمان کی
لاتے ہیں میرے نالے خبر لامکان کی

جلتا رہا ہوں آتشِ فرقت میں رات بھر
کچھ آپ کو خبر بھی ہے اس خستہ جان کی

خنجر بکف ہیں آپ بھی میں بھی ہوں سر بکف
پھر کیوں ٹھہر نہ جائے ابھی امتحان کی

آئے نہ فاتحہ کو کسی روز قبر پر
ہم نے نثار تم پہ ہمیشہ اپنی جان کی

آیا نہ رحم کچھ فلکِ کوزہ پشت کو
الفت میں پیر ہوگئے ہم اک جوان کی

گھر میں بُلا کے ناز سے دل لے لیا مرا
خاطر انوکھی آپ نے کی میہمان کی

عشق بتاں کو دل میں نہ مہماں کرے کوئی
کھا جاتا ہی یہ جان تنک میزبان کی

اب تک ہیں یاد خوب شبِ وصل کے مزے
لذّت ہی میرے مُنہ میں تمھاری زبان کی

ای چرخ کیا ملے گا ستا کر مجھے بھلا
مٹّی خراب کی ہی عبث ناتوان کی

مانے ہوئے ہیں ہم کو فصیحانِ روزگار
آظہر ہی آج دھوم ہمارے بیان کی

جو بیمارِ الفت ہی وہ دل یہی ہی
تری تیغِ ابرو کا گھائل یہی ہی

جو مشتاقِ ناوک ہی وہ دل یہی ہی
نشانہ اُڑانے کے قابل یہی ہی

پڑی ہو جہاں لاش پہ لاش قاصد
سمجھ جائیو کوئے قاتل یہی ہی

کسے کہتے ہیں عیش و آرام و راحت
ازل سے جو غمگیں ہی وہ دل یہی ہی

مسل کر مرے دل کو چُٹکی سے بولے
بڑا نازنہ تھا جس پہ وہ دل یہی ہی

لحد آگئی ہی جنازہ کو رکھ دو
سواری کو ٹھہراؤ منزل یہی ہی

نہیں ہی ہمیں خواہشِ حور واعظ
نہیں جس میں ارماں وہ دل یہی ہی

قیامت کو دیدار دیکھیں گے تیرا
فقط تجھ پہ مرنے کا حاصل یہی ہی

غم و رنج کیا ہوں جدا میرے دل سے
کہاں جائیں اور ان کی منزل یہی ہی

دوبارہ مجھے آزماتے ہو ناحق
جو کہتے ہیں تحصیلِ حاصل یہی ہی

گلِ ناشگفتہ جو گلشن میں دیکھا
میں سمجھا کہ شاید مرا دل یہی ہی

قیامت کو سر پہ اُٹھائیں گے نالے
وہاں بھی مزہ ہوگا گر دل یہی ہی

نہ اُس بزم میں پاؤں دشمن کے جمتے
گزر اپنا مشکل ہی مشکل یہی ہی

اسے وصل میں بھی نہیں چین آتا
انوکھا جہاں بھر سے اک دل یہی ہی

شبِ وصل ظالم مؤذّن نے مارا
مرے شوق و ارماں کا قاتل یہی ہی

ادھر بھی نگاہِ کرم جانے والے
حسامِ تغافل کا بسمل یہی ہی

مجھے دیکھ کر ناز سے ہنس کے بولے
ہوا تھا جو بوسے کا سائل یہی ہی

وہ خود آئیں اس وقت بے تاب ہو کر
اثر تیرا اے جذبۂ دل یہی ہی

نہیں ہی جوابِ امیر آج اظہر
زمانہ میں اُستاد کامل یہی ہی

خواہش اگر ہی عید کے دن کچھ ثواب کی
قاضی کے سر سے ماریئے بوتل شراب کی

قاصد کی لاش بھیج دی خط کے جواب میں
اچھی تسلّی دلِ پُر اضطراب کی

تم نے لگا کے مُنھ مجھے دنیا سے کھو دیا
عادت بگاڑ دی دلِ خانہ خراب کی

ہر دم ہوں میں تو تابعِ فرمان آپ کا
بندہ پہ کوئی وجہ بھی صاحب عتاب کی

چھانٹا وہ دل رُبا کہ جو لاکھوں میں فرد ہی
عالم میں دھوم ہی مرے اس انتخاب کی

پیتا ہوں مَیں تو ساقیِ کوثر کی یاد میں
رکھتا ہوں ہر گناہ میں اک تہ ثواب کی

کوچہ سے اُس کی تو نے اُڑایا صبا عبث
ناحق مرے غبار کی مٹی خراب کی

گل رو جو تجھ کو خلق کیا باغِ دہر میں
بو ہی ترے پسینے میں عطرِ گلاب کی

مٹی سے میکدہ کے بنا ہی مرا خمیر
طفلی میں بھی ملی مجھے گھٹی شراب کی

ہی ابرِ تر کا سامنا مشکل کی بات ہی
اللہ رکھے آبرو چشمِ پر آب کی

جاتے ہیں چاندنی میں وہ گلگشت کے لیے
تقدیر جاگتی ہی شبِ ماہتاب کی

آیا ہی پی کے واعظِ نافہم بے گماں
کرتا ہی بار بار مذمت شراب کی

اظہر کی یہ مراد بر آئے خدا کرے
مٹی نصیب ہو قدم بوتراب کی

تاثیر دکھائی یہ شبِ غم کی دعا نے
آیا جو نہ وہ بت تو قضا آئی بلانے

آئے مرے گھر کر کے وہ غیروں سے بہانے
ممنون کیا آج مجھے آہِ رسا نے

دم لینے نہیں دیتی ہی ہچکی کسی پہلو
آتی ہی تری یاد مجھے روز ستانے

لو ہاتھ بڑھا کر مرے سینہ سے لپٹ جاؤ
بے چین کیا ہی مجھے اس وقت گھٹا نے

مارا نہ کسی کو نگہِ ناز سے تم نے
کچھ کاٹ کسی دن نہ کیا تیغِ ادا نے

صد شکر کہ بخشی مرضِ عشق سے صحت
ممنون قضا کا نہ کیا ہم کو قضا نے

اُن کو شبِ وعدہ کیا پابندِ نزاکت
دل میں مرے حسرت کا کیا خون حنا نے

حیلہ ہی نزاکت کا غلط عذرِ حیا جھوٹ
ہیں خوب سمجھتا ہوں مگر ایسے بہانے

دنیا سے سدھارا ترا بیمارِ محبت
کچھ کام کیا اپنا دوا نے نہ دعا نے

کچھ چھیڑ کے اُس شوخ کو بے باک کیا تھا
یہ کام بگاڑا مرا کم بخت حیا نے

دیوِ شبِ غم سے کہیں اللہ بچائے — بے طرح مجھے گھیرا ہے اس کالی بلا نے
یہ پاس تھا اخفاءِ محبت کا دمِ ذبح — کی اُف بھی نہ منہ سے ترے مقتولِ جفا نے
الفت کے عوض ہو گئی نفرت اُنھیں مجھ سے — برعکس دکھایا ہے اثر اپنا دعا نے

پھرتے ہی ترے پھر گیا اظہرؔ سے زمانہ
اب نرگسِ شہلا بھی لگی آنکھ دکھانے

مرا دل ہی کچھ تجھ پہ آیا نہیں ہے — وہ ہے کون جو تیرا شیدا نہیں ہے
تمھیں قدرِ عشاق اصلا نہیں ہے — محبت کا بالکل زمانا نہیں ہے
شب و روز ہے گرمِ صحبت عدو سے — خیال آپ کو کچھ ہمارا نہیں ہے
حسیں ہیں اگرچہ ہزاروں جہاں میں — مگر بن ترے دل بہلتا نہیں ہے
عیادت کو میرے جو آئے تو بولے — بڑا سخت جاں ہے کہ مرتا نہیں ہے
جو کچھ آپ فرمائیں سب سچ ہے ناصح — ابھی آپ نے اُس کو دیکھا نہیں ہے
دمِ نزع آجا کہ مشکل ہو آساں — تری یاد میں دم نکلتا نہیں ہے
مرے ہاتھ اُس کی کمر میں پڑے ہیں — یہ مہتاب کے گرد ہالا نہیں ہے
بُری ہوتی ہے آہِ مظلوم دیکھو — مرا دل دکھانا کچھ اچھا نہیں ہے
مرے سامنے دخترِ رز کی بُرائی — تمھیں شیخ یہ بات زیبا نہیں ہے
تڑپ جاتا ہوں نامِ رخصت کا سن کر — مجھے تیرا جانا گوارا نہیں ہے
میں جی جاتا ہوں جب تجھے دیکھتا ہوں — کہوں کس طرح تو مسیحا نہیں ہے

نہ پکڑے کوئی میرے قاتل کا دامن
مجھے خون کا اپنے دعویٰ نہیں ہے

بہت مرتبہ آزمایا ہے ہم نے
ترے قول کا کچھ بھروسا نہیں ہے

تم اک بوسہ دینے میں کرتے ہو حجت
مجھے دل کے دینے میں پروا نہیں ہے

جفا کی شکایت پہ کہتے ہیں ہنس کر
وفا ہم حسینوں کا شیوا نہیں ہے

بتو، توڑتے کیوں ہو مٹھی میں لے کر
یہ دل ہی مرا کچھ کھلونا نہیں ہے

دمِ آخریں اپنی صورت دکھا دے
سوا اس کی اب کچھ تمنا نہیں ہے

تمھیں گلرخو، قدرِ عشاق کیا ہو
کبھی خار دامن میں اُلجھا نہیں ہے

غم و درد بھی ہو گئے دل سے رخصت
مجھے اب کسی کا سہارا نہیں ہے

سمجھنا نہ چاہو تو ہے امرِ آخر
مری بات کوئی معمّا نہیں ہے

مرے جرم و عصیاں پہ افسوس کیا ہے
درِ توبہ اے شیخ کیا وا نہیں ہے

مزے کچھ اُڑا لو جوانی میں اظہر
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ہے

چلو سہسواں کا کرو قصد اظہر
بڑودہ میں اب دل بہلتا نہیں ہے

باہیں گلے میں ڈال نہ لپٹا کے سو رہے
کیا مل گیا جو تم مجھے ترپا کے سو رہے

آنے کو تو وہ آئے مگر آ کے سو رہے
ہم کو نہ تم ستانا یہ فرما کے سو رہے

ہم پر جو کچھ جدائی میں گزری گزر گئی
تم تو مزے سے رات کو گھر جا کے سو رہے

جب اُن کا ہاتھا پائی میں کچھ بس نہ چل سکا
منھ کو چھپا کے ہاتھوں سے شرما کے سو رہے

انکارِ وصل پر جو میں اٹھ کر چلا گیا
اپنے کئے پہ خود بھی وہ پچتا کے سو رہے

تھا حکم پاؤں داب ہمارے تمام رات
اس حیلہ ہی سے وہ مجھے ٹہلا کے سو رہے

مایوسِ وصل ہو کے ترے کشتگانِ ناز
تا حشر جاگنے کی قسم کھا کے سو رہے

مدّت سے کوئے یار کی ملتی نہیں خبر
کم بخت نامہ بر بھی وہاں جا کے سو رہے

جاگے مرے نصیب تو حاصل ہوئی مراد
کس پیار سے وہ شب مجھے لپٹا کے سو رہے

ہیں خوب جانتا ہوں نشیب و فرازِ دہر
ناداں ہوں کیا جو تم مجھے بہلا کے سو رہے

تھا مدّعا تڑپ کے گزاروں تمام رات
شوخی تو دیکھو خود مجھے چونکا کے سو رہے

دل میں جو کچھ ہوس ہی نکالوں بشدّ و مد
تب لطف ہو جو وہ کہیں شرما کے سو رہے

میری خوشامدوں پہ نہ آیا ذرا بھی رحم
بستر سے میرے اٹھ کے الگ جا کے سو رہے

اظہرؔ ہے اپنے جذبِ محبّت پہ مجھ کو ناز
پہلو میں میرے آج وہ خود آ کے سو رہے

مرضِ عشق سے شفا کیسی
زہر دے دو مجھے دوا کیسی

کیا ہی جو ہم کو پیار کرتے ہو
دل وہی آج دل ربا کیسی

دخترِ رز گھر میں پڑ کے قاضی کے
بن گئی دیکھو پارسا کیسی

بات تک منھ سے کچھ نہیں کرتے
وصل میں ساتھ ہی حیا کیسی

بولے گھبرا گئے ہو چوٹی سے
پڑ گئی پیچھے یہ بلا کیسی

نہ شبِ غم میں میرا ساتھ دیا
روح بھی نکلی بے وفا کیسی

دیکھ کر میرے داغ دل بولے
اس گلستاں کی ہے فضا کیسی

میں ہوں یا ایک میری حسرت ہے
کون ہے غیر یہ حیا کیسی

مرمٹے ابتدائے عشق میں ہم
اس کی ہوتی ہے انتہا کیسی

غم کونین کھاتے ہیں اظہر
ہے ہمارے لیے غذا کیسی

یارب وہ آئیں گھر مرے مہماں کبھی کبھی
عشرت کدہ ہو کلبۂ احزاں کبھی کبھی

جاتے ہو بار بار عدو کے مکان پر
آؤ ہمارے گھر بھی تو مہماں کبھی کبھی

انکار کا مقام نہیں دے بھی دیجئے
ہوتا ہوں میں تو بوسہ کا خواہاں کبھی کبھی

مجھ پہ بھی ہو نگاہِ عنایت عدو کی طرح
مشکل مری بھی کیجئے آساں کبھی کبھی

ہنستے تھے جیتے جی جو مرے حال پر وہ آب
تربت پہ میری آتے ہیں نالاں کبھی کبھی

جاتے ہو دوڑ دوڑ کے جیسے عدو کے پاس
آیا کرو ادھر بھی مری جاں کبھی کبھی

نظارگی میں عارضِ جاناں کے گاہ گاہ
کرتے ہیں ہم تلاوتِ قرآں کبھی کبھی

امّید وار ہم بھی ہیں مدّت سے دیکھئے
بر لائیے ہمارے بھی ارماں کبھی کبھی

بزمِ سخن میں کرتی ہے اظہر کو باریاب
تحریکِ شوقِ طبعِ سخنداں کبھی کبھی

الفت کی جلن دل سے مٹائی نہیں جاتی
یہ آگ بجھائے سے بجھائی نہیں جاتی

دل عشقِ بتاں سے نہ پھرا پر نہ پھرا حیف
قسمت میں جو لکھی ہو پھرائی نہیں جاتی

سرزد ہوا کیا جرم، ہوئی کون سی تقصیر
کیوں شکل کبھی ہم کو دکھائی نہیں جاتی

کھو بیٹھے سر اپنا کئی اتنے اُسے سجدے
پھر بھی ہوسِ ناصیہ سائی نہیں جاتی

جاتے تو ہیں اُس بزم میں پر رعب سے اُن کے
جو اپنی حقیقت ہے سنائی نہیں جاتی

قابو میں زباں ہی نہیں لیتا ہیں ترا نام
پر دل سے تری یاد بھلائی نہیں جاتی

چوسے تھے شبِ وصل یہ کس کے لبِ شیریں
اب تک جو مرے لب سے مٹھائی نہیں جاتی

اظہر ہو عبث دغدغۂ ہجر سے غمگیں
وہ کیا ہے جو انساں سے اُٹھائی نہیں جاتی

دل اپنا گرچہ کچھ عاقل نہیں ہے
پر اپنی فکر سے غافل نہیں ہے

دل اپنا رکھنے کے قابل نہیں ہے
نہیں ہے اس سے کچھ حاصل نہیں ہے

ہٹو، اچھی طرح دل کو سمجھنا
یہ ظالم رحم کے قابل نہیں ہے

لگاؤ شوق سے سینہ میں ناوک
کوئی شے بیچ میں حائل نہیں ہے

ہے تقویٰ خوب، زاہد پر کریں کیا
طبیعت اس طرف مائل نہیں ہے

دیا دل نذر اُن کو تو یہ بولے
الگ رکھو مرے قابل نہیں ہے

رہے ہیں اُن کے تیور بھی مددگار
نظر ہی کچھ مری قاتل نہیں ہے

ہمارا دل بہل جاتا ہے اس سے
نہ کہنا غم سے کچھ حاصل نہیں ہے

وہ بولے درد سے رویا جو اظہر
ابھی یہ عشق میں کامل نہیں ہے

وہ اپنا حال ہوا ہی کہ کہہ نہیں سکتے — کہے بغیر بھی کیا کیجے رہ نہیں سکتے

شبِ فراق میں ہو دردِ دل کہ سوزِ جگر — بغیر مشغلۂ عشاق رہ نہیں سکتے

چلا تو ہی ہمیں تنہا تو چھوڑ کر ظالم — بغیر تیرے جو گزری گی کہہ نہیں سکتے

ہی مجھ کو ضبطِ محبت میں وہ ید طولیٰ — کہ اشک تک بھی مری آنکھوں سے بہہ نہیں سکتے

توان ہی دل میں نہ طاقت جگر میں ای اظہر
ملا ہی ہم کو غم اتنا کہ سہہ نہیں سکتے

کیوں کوئی شیفتۂ کاکلِ جاناں ہووے — مفت منت کشِ جولانہ و زنداں ہووے

بخت اُس کا ہی، نصیب اُس کا، مقدر اُس کا — وصل دلدار سے اک بار جو شاداں ہووے

سب کو لازم ہی اطاعت تری ای جانِ جہاں — میرا دل ہو کہ جگر ہو کہ مری جاں ہووے

زرد چہرہ ہو خجالت سے نہ کچھ بن آئے — گر ترے رخ کے مقابل مہِ تاباں ہووے

حشر پہ حشر، قیامت پہ قیامت ہو بپا — جلوۂ قامتِ جاناں جو نمایاں ہووے

جتنے ہیں شوق مٹیں کاش دلِ اظہر سے
صرف شوقِ عملِ سنت و قرآں ہووے

لیا دل مرا قدردانی تمھاری — تمھارا کرم مہربانی تمھاری

مرے دل کو زخمی کرو داغ دو تم — رہے پاس کچھ تو نشانی تمھاری

کہا تم نے جو کچھ کیا سب وہ ہم نے — نہیں کون سی بات مانی تمھاری

قیامت بپا کر چکا عہدِ طفلی — ستم ڈھائے گی نوجوانی تمھاری

تمھیں خوب غیروں نے بے پردہ دیکھا
ندان سے چلی لن ترانی تمھاری

ہیں پریاں فدا اور حوریں تصدق
وہ صورت ہے رشکِ قیامت تمھاری

دکھائے رقیبوں کو دن رات جلوے
ہمیں سے ہے کچھ لن ترانی تمھاری

وہ راضی نہیں تم سے خوش حسرت دل
اکارت گئی زندگانی تمھاری

لکھا وصف موئے کمر خوب اظہر
ہوئی ثابت اب نکتہ دانی تمھاری

ہے خبر دشمن کے گھر وہ بے نقاب آنے کو ہے
برجِ عقرب میں غضب ہے ماہتاب آنے کو ہے

ہم سے خلوت میں کبھی ملنے سے تکلف ہے جسے
مجمع اغیار میں وہ بے حجاب آنے کو ہے

کہتے ہو احساں کئے ہیں ہم نے تجھ پر بے حساب
ڈر خدا کا چاہیئے روز حساب آنے کو ہے

ماہ کتاب اس کے نظارہ کی کہو سیدا کرے
بام پر وہ بہر سیر ماہتاب آنے کو ہے

خوش ہیں کیوں دنیا میں غافل تاک میں بیٹھی ہے موت
چھپے کرتی ہیں کیا چڑیاں عقاب آنے کو ہے

اب تو میری زندگانی سے چکی مجھ کو جواب
کیا کروں اب ہیں اگر خط کا جواب آنے کو ہے

اظہر اپنے دردِ دل سے اس مرنے کی بندگی
اب تو جاگ اُٹھے نصیب اپنے کہ خواب آنے کو ہے

بوسہ پایا نہ ہوا وصل کا ساماں کوئی
میری مشکل نہ ہوئی آج تک آساں کوئی

پڑھتے ہیں دوبتِ کافر ترا کلمہ سب لوگ
نہ رہا ہائے زمانہ میں مسلماں کوئی

عہد میں تیرے ہوئے جان ہر اک جان سے تنگ
طالب قتل کوئی مرگ کا خواہاں کوئی

گر نہیں عاشق دیوانہ بنانا منظور
کیوں دکھائے ہیں اپنا رخ تاباں کوئی

لعل لب کی تمہیں اس وقت صفت ہو تحریر
روشنائی کے لئے جائے بدخشاں کوئی

تیرا بیمار مسیحا سے نہ ہوگا اچھا
اس کو وہ درد ہے جس کا نہیں درماں کوئی

سارے ہر دم تری آنکھوں کے ندیدے دیکھے
ان کی الفت میں ہے گریاں کوئی نالاں کوئی

رنج و غم نے بھی کیا دل سے کنارہ یارو
مدتوں سے مرے گھر میں نہیں مہماں کوئی

کیا کرم ہے کہ کہا دے کے یہ بوسہ مجھ سے
اور بھی اس کے سوا دل میں ہے ارماں کوئی

تیر کے ساتھ نکل جائے ہو جو کچھ دل میں
رہ نہ جائے مرے دل میں کہیں ارماں کوئی

اے جنوں دست درازی میں کوتاہی ہے
ہاتھ سے بچ کے نہ جائے ترے داماں کوئی

جتنے معشوقوں سے اظہار کو محبت دیکھی
باوفا ان میں نہ پایا کسی عنواں کوئی

کیا کہیں روتے ہیں ہم کن کے لئے
یہ جو ہنستے ہیں کھڑے ان کے لیے

مر مٹے اک شوخ کم سن کے لیے
کیا بنے تھے ہم اسی دن کے لیے

ہے شب وصل آج بکتی ہو جو نیند
ہول منگوادوں مؤذن کے لیے

دل کو پہلو میں مچل کر لیجئے
ناز موزوں ہے اسی سن کے لیے

آج کل میں مر رہے ہوں گے دو چار
کیا بگاڑیں تم سے دو دن کے لیے

ہائے وہ ہنستے ہیں میرے حال پہ
عمر بھر رو دیا کیا جن کے لیے

بے تکلف ہم یہ یوں کرتے ہیں ظلم
ہم بنے گویا کہ ہیں ان کے لیے

چاہیئے دل میں خیالِ روئے یار
ہے صفا درکار باطن کے لئے

دل نے رکھ لی تیرے ناوک کی انی
کچھ سزا لازم ہے خائن کے لئے

میرے ہوتے غیر ہو کیوں تیرے گھر
کعبہ ہے مخصوص مومن کے لئے

جس نے اظہرؔ ظلم بے گنتی کئے
اُس کے بوسے تم نے کیوں گن کر لئے

مرضِ عشق نے اس درجہ کیا زار مجھے
بیٹھنا اُٹھنا بھی اب ہو گیا دشوار مجھے

کہتے ہیں جانتے ہو جب کہ دل آزار مجھے
کیوں مجھے چاہتے ہو، کرتے ہو کیوں پیار مجھے

عاشقِ رُخ ہوں نہ سودائیِ گیسو ہوں میں
دن سے ہے کام نہ ہے شب سے سروکار مجھے

یوں تو معشوق ہزاروں ہیں جہاں میں لیکن
تجھ سا آیا نہ نظر کوئی طرحدار مجھے

مجھ کو حاجت ترے ساغر کی نہیں ہے ساقی
بادۂ عشق نے کر رکھا ہے سرشار مجھے

خوش خرامی کا میں ہوں جب کہ تمھاری پامال
پھر پسند آئے گی کیا کبک کی رفتار مجھے

در سے اپنے جو اُٹھایا تو اُٹھایا اے بُت
بیٹھا رہنے دے خدارا پسِ دیوار مجھے

مال کیا چیز ہے، دولت کی حقیقت کیا ہے
جان تک دینے میں تجھ سے نہیں انکار مجھے

ہر طرف بیچتا پھرتا ہوں متاعِ دل و دیں
کہیں ملتا ہی نہیں تجھ سا خریدار مجھے

زندگی میں نہ کبھی آپ نے کیں چار آنکھیں
نزع کے وقت تو دکھلائیے دیدار مجھے

کر دی محشر میں بھی نالوں سے قیامت برپا
آ گئی یاد جو اُس شوخ کی رفتار مجھے

دونوں حالت میں کریں آپ جفا خواہ وفا
دل کے دینے میں نہ ہو گا نہ ہے انکار مجھے

گر کہوں وصل کو اُن سے تو یہ فرماتے ہیں — انھیں باتوں نے کیا ہی تری بیزار مجھے

گو کہ عاصی و گنہگار و خطاوار ہوں میں — دور رحمت سے ہی کیا بخشے جو غفار مجھے

عشق کو میں تو چھپاتا ہوں بہت اے اظہر
رسوا کر دیتے ہیں لیکن مرے اشعار مجھے

پیچ گیسو کا جس انساں کو دکھایا تو نے — اے پری رو اُسے دیوانہ بنایا تو نے

زلفِ پُر پیچ کا سودائی بنایا تو نے — کس بلا میں مرے اللہ پھنسایا تو نے

مجھ سے وعدہ کیا اور غیر کے گھر جا پہنچا — یہ نیا قاعدہ ایفا کا نکالا تو نے

خاک چھانی نہ ترے عشق میں جانی کس نے — کو بکو کس کو پریشاں نہ پھرایا تو نے

کیا خطا کی تھی تری جس کے عوض میں ظالم — قتل عاشق کو کیا جان سے مارا تو نے

جھوٹوں بھی تو نہ کیا کل کی طرح وعدۂ وصل — آج تو توڑ دیا دل کا سہارا تو نے

جانِ عشاق کا اللہ بھی نہیں ہے حافظ — تیغ انداز کو جب سے ہے سنبھالا تو نے

نزع کے وقت بھی تو کوئی نہ ہچکی آئی — یاد سے اپنی مجھے ایسا بھلایا تو نے

رات دن عشق بتاں میں ہوں برباد و خراب — اس لیے خلق کیا مجھ کو خدایا تو نے

واہ کیا طبع ہے اظہر تری ماشاء اللہ
نئے انداز کا ہر شعر نکالا تو نے

بخت کی اپنے اگر کچھ بھی رسائی ہوتی — تا قیامت نہ کبھی اس سے جدائی ہوتی

رحم بلبل پہ کیا ہوتا قفس میں کچھ تو — بو ہی پھولوں کی صبا لا کے سنگھائی ہوتی

رات بھر نیند نہ آتی تجھے میری مانند
آئینہ رو سے اگر آنکھ لڑائی ہوتی

گر نہ تھا عاشقِ دیوانہ بنانا منظور
شکل اپنی نہ مجھے تو نے دکھائی ہوتی

بام پہ تو جو کھڑا ہوتا تو مثلِ مہِ عید
محوِ نظارہ تری ساری خدائی ہوتی

دام گیسو میں تمھارے جو کوئی پھنس جاتا
حشر تک قید سے اُس کو نہ رہائی ہوتی

ضبط کرتا نہ اگر اشک کے طوفان کو میں
چار دیوارِ عناصر کبھی گرائی ہوتی

باریابی نہ کبھی غیر کی ہوتی اظہر
محفلِ یار میں گر اپنی رسائی ہوتی

بعد مرگ اپنے تجمل کے یہ ساماں ہوں گے
آگے اور پیچھے جنازہ کے سب ارماں ہوں گے

ہتکھنڈے اپنے دکھائے گا جو دستِ وحشت
ہوں گے داماں کسی کے نہ گریباں ہوں گے

کلمہ اُس بتِ کافر کا پڑھیں گے جا کر
جی میں ٹھانی ہے کہ ہم آج مسلماں ہوں گے

ہیں مریضِ غمِ ہجراں ہوں نہ کر چارہ گری
وہ بشر اور ہیں جو قابلِ درماں ہوں گے

جیتے جی قدر مری کچھ اُنھیں معلوم نہیں
قتل کر لیں گے مجھے تب وہ پشیماں ہوں گے

کوئے جاناں میں مجھے جانے کی حسرت ہوگی
باغِ فردوس کے عازم جو مسلماں ہوں گے

بے ہنر سے نہ رکھو دل میں توقع اظہر
داد دیں گے وہ سخن کی جو سخنداں ہوں گے

کبھی خفقاں کبھی سودا رہا ہے
ترا بیمار کب اچھا رہا ہے

مذمت ہم کشوں کی کر نہ واعظ
کہ ان پر ابرِ رحمت چھا رہا ہے

نہ مانوں گا کہا تیرا میں ای شیخ
مجھے بے فائدہ سمجھا رہا ہے

کیا کیا یار نے ملنے کا وعدہ
دلا کیوں اس قدر اترا رہا ہے

ہوا خالی نہ دل رنج و الم سے
کوئی مہماں ضرور آتا رہا ہے

مریضِ عشق کو کیا دیکھتے ہو
لبوں پر دم ہی اس میں کیا رہا ہے

کیا قتل اُس نے عاشق کو مقرر
مگر دل میں بہت پچھتا رہا ہے

عدو سے بے حجابانہ ہیں باتیں
ہمیں سے کیا فقط پردا رہا ہے

رہا ہی دل لگی کا مشغلہ کیا
جب اپنا دردِ دل جاتا رہا ہے

کیا نقدِ دل و جاں نذرِ دلبر
گرہ میں میری اور اب کیا رہا ہے

شبِ وصلت ہی خلوت کی جگہ ہی
عبث اس وقت تو شرما رہا ہے

مجھے عشقِ دہانِ یار اظہر
رہِ ملکِ عدم بتلا رہا ہے

ہم سے مظلوموں کا ای یار ستانا کیا ہی
دل جلا خود ہو تو پھر اُس کا جلانا کیا ہی

چشمِ بد دور ترے حسن کا کہنا کیا ہی
مہِ کنعاں ترا دیوانہ ہی عذرا کیا ہی

اِس پہ مرتا ہوں میں کہتے ہیں وہ بوسہ دیکر
اب سوا اس کے ترے دل کی تمنا کیا ہی

اُس نے مجھ کو جو کیا قتل کسی کو کیا کام
جمع کیوں لوگ مرے در پہ ہیں غوغا کیا ہی

کیوں ستم ہونے لگا غیر پہ میرے ہوتے
میری تقصیر بتا اے ستم آرا کیا ہی

حال سن کر شبِ فرقت کا یہ فرماتے ہیں
جو گزر جائے پھر اُس بات کا کہنا کیا ہی

جو کوئی جاتا ہے پھر کر نہیں آتا اظہرؔ
عدم آباد میں کیا جانے تماشا کیا ہے

تسبیح یہ ہے وردِ زباں آٹھ پہر کی
وصلت ہو میسر مجھے اُس رشکِ قمر کی

ہوتے مرے کیوں غیر کی جانب کو نظر کی
ثابت کوئی تقصیر ہوئی میرے جگر کی؟

کیا نوح کے طوفان کا طوفان بندھا ہے
صورت نہیں دیکھی ہے مرے دیدہ تر کی

وارفتہ ہیں ایسے ترے عشاقِ رخ و زلف
پوچھے جو کوئی شام کی بتلائیں سحر کی

طولِ شبِ وصلت ہو مثالِ شبِ فرقت
صورت مجھے اللہ نہ دکھلائے سحر کی

برچھی سی ہوئی پار دلِ اہلِ وفا سے
جس سمت کو اُس شوخ جفا جو نے نظر کی

کیا سنبلِ پیچاں کو تری زلف سے نسبت
کیا ہستی ہے رخسار کی آگے گلِ تر کی

کھا جائے گی بل تیری کمر - کاکلِ پیچاں
گر بال برابر جو کہیں شانہ سے سر کی

ابرو کا ترے وار بچا سکتا ہے کب دل
شمشیرِ قضا روک لے کیا تاب سپر کی

شاعر ہوں میں کچھ غیب کا دعویٰ نہیں مجھ کو
کس طرح سے تعریف لکھوں اُس کی کمر کی

زلفوں کو نہ دن رات سنوارا کرو صاحب
حالت نہ پریشاں ہو کسی خستہ جگر کی

آنے کو تو اک لحظہ بھی پورا نہیں گزرا
کیا جانے ابھی سے تمہیں کیوں پڑ گئی گھر کی

ہوں معرکہ عشق میں جاں دینے کو حاضر
کیا سینہ کے ہوتے ہوئے حاجت ہے سپر کی

ہوتی ہے اذاں قہر دمِ صبح شبِ وصل
اک چوٹ ہے دل کے لیے آواز گجر کی

سیرت ہے تری حور و ملک سے کہیں بڑھ کر
اللہ کی قدرت ہے کہ صورت ہے بشر کی

تڑپا کیے بستر پہ سرِ شام سے تا صبح — یوں ہم نے شبِ غم تری فرقت میں بسر کی
بیمارِ محبت ابھی ہو جاتا ہے اچھا — مل جائے اگر خاک ذرا سی ترے در کی
ہوتا نہ پڑے مجھ کو خجل ابر کی آگے — رہ جائے خدا آبرو اس دیدۂ تر کی
سب آپ کے ہی چاہنے والوں کا ہے مجمع — بے خوف چلے آیئے کچھ جا نہیں ڈر کی
آنکھوں کو بچھاؤں اگر آپ آئیں مرے گھر — پلکوں سے زمیں صاف کروں راہ گزر کی
جس شخص نے دیکھے ہوں تمہارے لب و دنداں — کیا خاک کرے قدر وہ پھر لعل و گہر کی
مرنے کی خبر سن کے تجاہل سے یہ بولے — بیمار تھا کیا ہم کو کسی نے نہ خبر کی
دل ہاتھوں سے تھامے ہوئے پھرتے ہیں وہ کل سے — کیا بات ہے اے آہِ رسا تیرے اثر کی

دُگنا ہو مزہ ہم کو ہر اک بات کا اظہر
ہو جائے اگر وصل کی شب آٹھ پہر کی

دیئے رقیبوں کو بوسے دکھا دکھا کے مجھے — ذلیل خوب کیا تم نے گھر بلا کے مجھے
سکوت ہو نہ کہیں سامنے خدا کے مجھے — کہ شکوے کرنے ہیں اک شوخِ بے وفا کے مجھے
جلیں گے ہفت فلک میری آہِ سوزاں سے — رہے گا تو بھی نہ ٹھنڈا کبھی جلا کے مجھے
نہ ہوتے سامنے میرے اگر نہ تھا منظور — چھپو نہ بہرِ خدا شکل اب دکھا کے مجھے
وہ حالِ زار تھا میرا کہ تیغِ قاتل بھی — لہو کے آنسوؤں روئی گلے لگا کے مجھے
بگاڑ آج رقیبوں سے ہو گیا شاید — جو منتوں سے لئے جاتے ہو منا کے مجھے
گیا نہ ساتھ مرے کوئی کوئے قاتل تک — خضر بھی چلتے ہوئے راستہ بتا کے مجھے

کسی کے دام میں ایسا ہی وہ پھنسے یارب
کیا اسیر ہے جو زلف میں پھنسا کے مجھے

بتوں نے ظلم کیا دوستی کے پردے میں
کرے گئے مرا دل الفتیں جتا کے مجھے

دعائے نیم شبی میں اثر ہوا یارب
سنایا مژدۂ وصل اس نے خود بلا کے مجھے

نہیں ہے بات کوئی ان کی چھیڑ سے خالی
سنا کیے ہیں عدو کی سنا سنا کے مجھے

ہزاروں انگلیاں اٹھتی ہیں لاغری پہ مری
ہلال عید بنایا گھٹا گھٹا کے مجھے

کرے گی زلف اسیر بلا ضرور اک دن
رہے گا چاہ زنخداں کنوئیں جھکا کے مجھے

رکھا امید میں وعدہ وفا کیا نہ کبھی
اڑایا آپ نے باتیں بنا بنا کے مجھے

نہیں ہے نزع میں اب اور آرزو باقی
بس اک ہوس ہے کہ تم دیکھ جاؤ آ کے مجھے

چھٹوں میں قید مصیبت سے پاک ہو جھگڑا
طبیبو زہر ہی دے دو عوض دوا کے مجھے

سیاہ بختی سے کیا زلف یار سمجھا ہے
بگاڑتا ہے فلک کیوں بنا بنا کے مجھے

امید وصل کی کچھ کچھ تو ہوتی جاتی ہے
وہ دیکھتے ہیں بہت آج مسکرا کے مجھے

وہ مہربان ہے ہو جائے وصل بھی شاید
دیئے ہیں بوسے بلا عرض و التجا کے مجھے

کسی کی قدر نہیں ہوتی جیتے جی اظہر
وہ خاک اڑاتے ہیں اب خاک میں ملا کے مجھے

عشاق ہیں خم ابروئے خمدار کے آگے
رہتی ہیں جھکی گردنیں تلوار کے آگے

چکر میں ہے افلاک تری چال سے اے ماہ
کیا کبک چلے گا تری رفتار کے آگے

اک بوسہ جو خلوت میں بھی تم سے کبھی مانگو
دشنام سناؤ مجھے دو چار کے آگے

مہتاب کا منہ زرد ہے چھٹتی ہے ہوائی | کیا تاب کہ چمکے ترے رخسار کے آگے
ہیں دشمنِ جاں ناز و ادا غمزہ کرشمہ | اک جان کی کیا جان بچے چار کے آگے
حیران ہیں گل جھڑتے ہیں منہ سے جو ترے پھول | خاموش ہے بلبل مری گفتار کے آگے
کوچہ میں ترے مجھ کو زمیں تھوڑی سی مل جائے | بستر میں لگاؤں تری دیوار کے آگے
ممکن نہیں یہ سنگدلی آپ کی رہ جائے | آپ آئیے تو آہِ شرربار کے آگے
پی کر تو نہیں آئے ہو کچھ خیر ہے واعظ | ہجوِ مے ناب اظہرِ مے خوار کے آگے

گھورنے والوں سے پردا چاہیے | میری جاں ایسوں سے چھپنا چاہیے
کچھ نہ ہم کو خوفِ عقبیٰ چاہیے | صرف حضرت کا وسیلا چاہیے
وصل کی شب ہے مؤذن کے لیے | نیند بکتی ہو تو لینا چاہیے
درد کا کرتا ہے درماں تو عبث | ہم کو تو موت اے مسیحا چاہیے
دخترِ رز کی ہجو میرے سامنے | کیوں جی واعظ تم کو ایسا چاہیے
جان لینا گر مری منظور ہو | تیغِ ابرو کا اشارا چاہیے
حشر پر موقوف ہے دیدارِ یار | کب قیامت آئے دیکھا چاہیے
پھر پری اور حور کی خواہش نہ ہو | تو ہی مل جائے تو پھر کیا چاہیے
کون سی شے ہے جو مل سکتی نہیں | آدمی کے پاس پیسا چاہیے
کام مجھ وحشی کا آبادی میں کیا | ایسے دیوانہ کو صحرا چاہیے
ختم ہے حسن و وجاہت آپ پر | اینٹھے زیبا ہے جتنا چاہیے

لذّتِ فرقت کو کیا جانے رقیب
یہ مزہ تو مجھ سے پوچھا چاہیئے

دل ذرا سا ہی صنم ڈر جاؤ گے
قتل کرنے کو کلیجا چاہیئے

حال بیتابی کا لکھا ہے اُنھیں
کیا جواب آتا ہی دیکھا چاہیئے

اس کی باتوں سے مٹا عیش و طرب
جان کو واعظ کی رونا چاہیئے

آج وہ آنے کو ہیں اظہر یہاں
راہ میں آنکھیں بچھانا چاہیئے

بے مروّت سے کنارا چاہیئے
با وفا معشوق ڈھونڈا چاہیئے

شیخ جی رندوں کی خاطر سے کبھی
ایک چلّو مے تو پینا چاہیئے

مہربانی غیر پر ہم پر ستم
آپ کو ایسا نہ کرنا چاہیئے

ہی قیامت وعدۂ فردا ترا
ایک مدّت اک زمانا چاہیئے

ناز تیرے کیا اُٹھائے گا رقیب
جانِ من اس کو کلیجا چاہیئے

وصل ناممکن ہی تیرا بے وصال
موت کب آتی ہی دیکھا چاہیئے

ہو بہت مغرور اپنے حسن پر
آئنہ تم کو دکھانا چاہیئے

کر دیا فرقت نے تیری جاں بلب
اب تو مجھ پر رحم کرنا چاہیئے

ایک دل تھا نذر اُس کو کر چکے
کہیئے اور اب آپ کو کیا چاہیئے

کان ہیں آوازِ قاصد پر لگے
کیا خبر لاتا ہی دیکھا چاہیئے

روز ناصح سر پھراتا ہی مرا
ایک دن اس سی سمجھنا چاہیئے

کوئی حیلہ ہی اٹھانا چاہیئے	یوں بلانے سے نہیں آتے جو وہ

رہ چکے اظہر بڑودہ میں بہت
سہسواں کو اب تو چلنا چاہیئے

بس کہ اس گل کی اڑا لی ہے ادا تھوڑی سی — بندھ گئی ہے گل تر کی بھی ہوا تھوڑی سی

ساقیا لا مئے گلرنگ پلا تھوڑی سی — آج اٹھتی نظر آتی ہے گھٹا تھوڑی سی

کاش مہلت دے مجھے میری قضا تھوڑی سی — کھانے دے گلشن عالم کی ہوا تھوڑی سی

تم میں باقی ہے ابھی شرم و حیا تھوڑی سی — اور رہی پی لو مری جان ذرا تھوڑی سی

عمر بھر کے لئے اک بوسہ پہ چھوڑو نہ مجھے — دو زیادہ نہ سزا، کی ہے خطا تھوڑی سی

ایک خم سے مری تسکین نہ ہوگی ہرگز — اور اے پیر خرابات ذرا تھوڑی سی

کی حسینوں کو جفا تو نے عنایت یارب! — میرے حصہ کی نہ دی ان کو وفا تھوڑی سی

اتنی نفرت تجھے زیبا نہیں مے سے زاہد — پی بھی لے مرد خدا بہر خدا تھوڑی سی

بوسۂ لب تو عنایت ہوا بارے صد شکر — آج مقبول ہوئی میری دعا تھوڑی سی

قتل میں بھی مجھے دم دیتے رہے وصل کی طرح — پوچھا جب دیر ہے کتنی، تو کہا تھوڑی سی

شیخ صاحب وہ گل آتا ہے پلانے کو شراب — اب تو لے لیجئے اے مرد خدا تھوڑی سی

آدمی کیا ہیں فرشتے بھی دم ان کا بھرتے — ہوتی ان زہرہ وشوں میں جو وفا تھوڑی سی

مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے ہی دل سے پوچھو — ہے بہت تم سے محبت مجھے یا تھوڑی سی

بسمل ناز سے کہتے ہیں وہ مرنا نہ کہیں — ابھی باقی ہے دکھانے کو ادا تھوڑی سی

تھوڑے اشعار ہیں لیکن ہیں اچھوتے مضمون
داد اظہر کو بھی دیں نکتہ سرا تھوڑی سی

شورشِ آہ و فغان و نالہ و فریاد ہے
اب یہی آٹھوں پہر شغلِ دلِ ناشاد ہے

ہر گھڑی کیوں تشنۂ خونِ دلِ ناشاد ہے
کیا تری نوکِ مژہ بھی نشترِ فصاد ہے

مرگِ دشمن پر وہ محوِ نالہ و فریاد ہے
بینِ غم میرے لئے شورِ مبارکباد ہے

شیخ جی آتے ہیں کیا بادہ کشی کے واسطے
میکدہ میں آج کیوں شورِ مبارکباد ہے

پھیری ظالم نے گلے پر میرے دم لے لے کے تیغ
اس سے ظاہر ہو گیا قاتل بڑا جلاد ہے

چھانتا پھرتا ہوں خاکِ دشتِ غربت رات دن
تیرے ہاتھوں اے جنوں مٹی مری برباد ہے

ہمسریِ قامتِ دلدار کی ہے یہ سزا
گلشنِ عالم میں جو یوں پابگل شمشاد ہے

ایک لحظہ کے لیے مجھ سے جدا ہوتا نہیں
آج کل تیرا تصور ہی مرا ہمزاد ہے

ہم سے جو قول و قسم تھے آپ بھولے یک قلم
اور غیروں نے جو کچھ پٹی پڑھائی یاد ہے

کھنچ سکے تصویر اس کی یہ تو ممکن ہی نہیں
صورتِ دلدار خود صورت کشِ بہزاد ہے

آنکھ سے نرگس میں حیرت زلف سے سنبل میں پیچ
قد ترا اے گلبدن غیرت دہِ شمشاد ہے

مہربانی جان کر کرتا ہے تو ظلم و ستم
یہ نیا ایجاد تیرا اے ستم ایجاد ہے

ظاہر و باطن پہ میرے تیرا قبضہ ہو گیا
لب پہ تیرا نام ہے اور دل میں تیری یاد ہے

بوسے دیتا ہے رقیبوں کو ہمارے سامنے
دیکھ ظالم یہ کوئی بیداد سی بیداد ہے

قطعِ الفت پر بھی باقی رہ گئی کچھ رسم و راہ
اک نشانِ مہوشاں داغِ دلِ ناشاد ہے

وصل کی شب ہو کے وہ مجبور یوں کہنے لگے
رحم تو مجھ پہ نہیں کرتا بڑا جلّاد ہے

دین و دنیا کے بکھیڑوں سے نہیں مطلق غرض
فکر سے کونین کے بے خود ترا آزاد ہے

ہائے کیوں راحت نہیں پاتی کسی پہلو مجھے
خلد میں بھی ساتھ میرے کیا دلِ ناشاد ہے

کون پہنچے وادیِ الفت میں میری گرد کو
طفلِ مکتب قیس ہے کودن ابھی فرہاد ہے

تو گرفتاروں کی اپنے کیوں نہیں لیتا خبر
کیا کسی کے دامِ الفت میں پھنسا صیّاد ہے

شکوہ ہائے جور سن کر ہنس کے بولے ناز سے
کچھ شبِ وصلت کی بے رحمی بھی تم کو یاد ہے

گریۂ وقتِ ولادت سے یہ مضموں کھل گیا
تیرا عاشق بھی کوئی مجنون مادر زاد ہے

جادۂ پر پیچ الفت میں رکھا جب سے قدم
ہر گھڑی میری زباں پر ہرچہ بادا باد ہے

حسرت و رنج و الم ہیں میرے دل میں جاگزیں
ایسے مہمانوں سے ویرانہ مرا آباد ہے

مہندی ملنے کے بہانے ہاتھ اُس کے چھو لیے
واقعی اظہر بھی اپنے وقت کا اُستاد ہے

پھرتے ہیں ترے ہجر میں مارے کئی دن سے
طالع میں ہے گردش بھی ہمارے کئی دن سے

کس سوچ میں رہتے ہو کہاں دل ہے تمہارا
کیوں آنکھ ملاتے نہیں پیارے کئی دن سے

بوسوں کو کسی کے لبِ گل رنگ ملیں گے
ہیں ہونٹ پھڑکتے جو ہمارے کئی دن سے

تم دست درازی کا گلہ ہم سے نہ کرنا
قابو میں نہیں ہاتھ ہمارے کئی دن سے

ہر روز چھری چلتی ہے عاشق کے گلو پر
خون ہوتا ہے کوچہ میں تمہارے کئی دن سے

شاید کہ سب اُس ماہ کی انگیا میں ہوئے صرف
معلوم نہیں ہوتے ستارے کئی دن سے

جنگل میں شب و روز بسر ہوتی ہے اپنی
ہیں قیس کے انداز ہمارے کئی دن سے

ہے شکر کہ جا کٹ گئے ایّام مصیبت
پھر اُگلے سے الطاف ہیں یارے کئی دن سے

پھر وصل کی دولت ہمیں شاید کہ ملے گی
کھجلاتے ہیں پھر ہاتھ ہمارے کئی دن سے

معلوم نہیں ہو گئے کس بات پہ ناراض
آتے نہیں وہ پاس ہمارے کئی دن سے

ہاں المدد اے دستِ جنوں وقتِ مدد ہے
پھرتے ہیں وہ سینہ کو اُبھارے کئی دن سے

کس بات پہ اظہر سے خفا ہو گئے صاحب
ہوتے نہیں کیوں اُس سے اشارے کئی دن سے

کھوئے گی دنیا سے یہ بے اعتنائی آپ کی
مار ڈالے گی مجھے اک دن جدائی آپ کی

ظلم کو بھی آپ کے کہتا ہوں میں لطف و کرم
میری کیا طاقت کروں جو میں بُرائی آپ کی

تھا شبِ فرقت نہ کوئی پوچھنے والا مرا
ہاں خبر لینے کو اکثر یاد آئی آپ کی

کس زباں سے ہو بھلا شکر اُس کی نعمت کا ادا
میرے اللہ نے مجھے صورت دکھائی آپ کی

نزع میں بالیں پہ آ کر میرے یوں کہنے لگے
ہو نصیبِ دشمناں اے کاش آئی آپ کی

اب کسی کروٹ کسی پہلو نہیں آتا ہے چین
ظلم کرتی ہے بہت مجھ پر جدائی آپ کی

وصل کی شب میری منہ پر رکھ کے منہ کہنے لگے
کہئے اب تو آرزوئے دل بر آئی آپ کی

دامِ گیسو کے پھنس کر کوئی چھوٹا ہے بھلا
قیدِ غم سے ہو چکی اظہر رہائی آپ کی

معلوم مری جان مصیبت ہو کسی کی
اللہ کرے تم کو محبت ہو کسی کی

مرجائے کوئی یا بُری حالت ہو کسی کی — مقصود ہے یہ امر کہ شہرت ہو کسی کی

سرزد ہو خطا غیر سے تم ہم سے بگڑ جاؤ — نقصان کسی کا ہو حماقت ہو کسی کی

مظلوموں کو بے وجہ ستایا نہیں کرتے — ایسا نہ ہو پھر دیکھو شکایت ہو کسی کی

سو بار کئے آپ نے پورا نہ ہوا ایک — اس مرتبہ وعدہ پہ ضمانت ہو کسی کی

اتنی تو نہ تھی چرخ ستمگر کو عداوت — ممکن ہے کہ در پردہ شرارت ہو کسی کی

ٹھانی ہے کہ دل چھین کے میں سامنے رکھ دوں — معلوم تمھیں بھی تو محبت ہو کسی کی

میں بھی تو بلا اذن نہیں ہاتھ لگاتا — مانا کہ مری جان امانت ہو کسی کی

دل میں ہیں جو ارمان نکالوں میں سحر تک — ہاں سچ نہ شبِ وصل نزاکت ہو کسی کی

جس طرح عدو موردِ الطاف و کرم ہے — اے کاش یونہی مجھ پہ عنایت ہو کسی کی

میں ہجر میں دن رات یہ دیتا ہوں دعائیں — الفت ہو کسی کی تمھیں چاہت ہو کسی کی

اس طرح سے دل کو مرے برباد نہ کیجے — پوشیدہ نہ اس میں کوئی حسرت ہو کسی کی

کس طرح سے دل اپنا بھلا غیر کو دے دوں — اور پاس اگر میرے امانت ہو کسی کی

مانگا جو کوئی بوسہ تو منھ پھیر کے بولے — دنیا میں نہ ایسی بُری نیت ہو کسی کی

اظہر سے کبھی حسن پرستی نہ چھٹے گی
جاتی نہیں تا زیست جو عادت ہو کسی کی

مرے پہلو سے اٹھ جانا ستم ہے — مجھے بے وجہ تڑپانا ستم ہے

شبِ وصلت ہے اور خلوت کی جا ہے — تمھارا اب بھی شرمانا ستم ہے

غلط وعدہ بھی گو اچھا نہیں ہے
مگر جھوٹی قسم کھانا ستم ہے

مجھے دے کر وہ بوسہ ہنس کے بولے
بس آگے پاؤں پھیلانا ستم ہے

پلا دے شربت دیدار للہ
ارے پیاسوں کو ترسانا ستم ہے

عیادت کو مری آنا عنایت
عدو کو ساتھ میں لانا ستم ہے

نہ سنئے دیکھئے ہرگز نہ سنئے
مرا فرقت کا افسانا ستم ہے

گزر جاتی ہیں راتیں تارے گنتے
کسی سے آنکھ لڑ جانا ستم ہے

یونہیں بے خود رہو اظہر تو اچھا
تمھارا ہوش میں آنا ستم ہے

جن کے لئے راحت ہوئی برباد ہماری
کرتے نہیں بھولے سے بھی وہ یاد ہماری

بے کار نہ جائے گی یہ فریاد ہماری
کیا حشر میں دے گا نہ خدا داد ہماری

تھک تھک گئی سمجھا کے اثر کچھ نہیں ہوتا
سنتا نہیں کچھ بھی دلِ ناشاد ہماری

گو ہم کو حضوری کبھی حاصل نہیں ہوتی
ہے بزم حسیناں میں مگر یاد ہماری

دشمن کے سدا رونق کاشانہ رہے آپ
اک دن نہ ہوئی جھونپڑی آباد ہماری

اُس بزم میں بندش ہے قیامت کی غضب کی
جانے نہیں پاتی ہے کبھی یاد ہماری

اغیار سے دم بھر انھیں فرصت نہیں اظہر
آنے لگی کاہے کو بھلا یاد ہماری

کیا یاد کریں گے تجھے او گیسوؤں والے
قسمت کے ہمارے تو کبھی بل نہ نکالے

دل کیسے کوئی چشمِ فسوں گر سے بچالے
انداز انوکھے ہیں کرشمے ہیں نرالے

بھولا کوئی مل جائے تو پھندے میں پھنسالے
رہتا ہے اسی تاک میں او گیسوؤں والے

تلووں میں مرے رہ گئے دو چار ہی چھالے
کانٹے مگر اب تاک میں زبانوں کو نکالے

اک دن بھی نہ دیکھا نگہِ لطف سے ہم کو
دشمن کے تو خوب آپ نے ارمان نکالے

رہ رہ کے شبِ وصل یہ کہتے تھے وہ مجھ سے
بے درد کے بس میں کبھی اللہ نہ ڈالے

گھٹ گھٹ کے فنا ہو گئے سب دل ہی کے دل میں
ارمان ہمارے نہ کبھی تم نے نکالے

ابتر ہے نہایت ترے بیمار کی حالت
اب اُس کو خدا ہی جو بچالے تو بچالے

کیا دیتے ہو طعنہ مجھے تم عشق پری کا
حوروں پہ بھی جاں باز کبھی آنکھ نہ ڈالے

ہے پاسِ وفا مانعِ اظہارِ شکایت
مجبور ہوں جتنا ترا جی چاہے ستالے

بے مہری پہ تیری یہ نکلتا ہے زباں سے
انسان کا انساں سے خدا کام نہ ڈالے

ہم نے تو دیا دل تمھیں دلدار سمجھ کر
تم نے کیا بے دردی سے دشمن کے حوالے

نخوت سے نہ پھر پاؤں زمیں پہ کبھی رکھو
دو چار بھی ہوں مجھ سے اگر چاہنے والے

حالت مری ہو جائے گی خود آپ پہ ظاہر
سُنئے تو ذرا اس دلِ پُر درد کے نالے

گزرے جو سوئے گورِ غریباں تو یہ بولے
سب مٹ گئے دنیا سے مرے چاہنے والے

حالت پہ ترس کھا کے مری کہتے ہیں اغیار
دشمن کو بھی اللہ مصیبت میں نہ ڈالے

تکلیف مداوا ہے مجھے درد سے بڑھ کر
کانٹے وہ چُبھے دل میں جو تلووں سے نکالے

آئے وہ عیادت کو دمِ نزع تو پھر کیا
کیا خوش ہو پڑے ہوں جسے خود جان کے لالے

اعضا کو ترے دیکھ کے کہتا ہے زمانہ | اللہ نے یہ نور کے سانچے میں ہیں ڈھالے

پھنس کر کوئی اس دام سے نکلا نہیں اظہر
اللہ تجھے زلف کے پھندے میں نہ ڈالے

خطا ہے دستِ نازک کی نہ کوتاہی ہے خنجر کی
بُرا ہو سخت جانی کا بدی ہے یہ مقدر کی

ابھی طولِ شبِ فرقت نہیں دیکھا ہے اے واعظ
درازی بھول جائے گا تو اپنے روزِ محشر کی

اگر پیاس اپنی کچھ اس سے بجھے تو ہم بھی قائل ہوں
بہت کچھ آبداری سنتے ہیں ہم تیرے خنجر کی

الٰہی خیر کیجیو، کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے
خبر مدت سے کچھ ملتی نہیں ہے کوئے دلبر کی

قدم آئینہ خانہ میں سمجھ کر سوچ کر رکھنا
ذرا سنبھلے ہوئے رہنا کہ چوٹیں ہیں برابر کی

یہ نازک ہونٹ چوسے ہیں تمھارے اس نے جس دن سے
بلائیں رات دن لیتا ہوں آنکھوں سے میں ساغر کی

جدا تیرے لبِ نوشیں سے دم بھر کو نہیں دیکھا
مقدر لڑ گیا پر لگ گئی ہے خوب ساغر کی

عدو کی بزم سے تو نام اُٹھنے کا نہیں لیتے
یہاں آتے ہی پڑ جاتی ہے کیوں جلدی تمھیں گھر کی

اکڑ کر ناز سے چلنا کسی کا دیکھ کر اکثر
ادائیں یاد آجاتی ہیں مجھ کو تیرے خنجر کی

مقدّر میں جو کچھ لکھا ہے اک دن پیش آنا ہے
عبث دیتا ہے واعظ ہم کو دھمکی روزِ محشر کی

شبِ وعدہ تمھاری انتظاری حد سے افزوں تھی
سحر تک وا رہی آغوش میری اور مرے در کی

تمھارے رہ گزر میں اس لیے مرقد بناتے ہیں
مبادا تم کو ہو جائے کبھی توفیق ٹھوکر کی

مرا دل توڑنا اچھا نہیں دیکھو سمجھ جاؤ
بتو، توقیر لازم ہے تمھیں اللہ کے گھر کی

کیا ہے آج اُس بت نے زباں سے وصل کا وعدہ
خدا کی شان ہے گویا ہوئی تصویر پتھر کی

رہی ہے چھینا جھپٹی رات بھر اب میں نہ مانوں گا
حقیقت کھل گئی ساری شکن آلودہ بستر کی

کڑی تھی عشق کی منزل بہت اظہرؔ مگر یارے
کٹا کر اپنا سر ہم نے بحمد اللہ یہ سر کی

کچھ کارگر دوا نہ مؤثر دعا ہوئی
تیرے مریضِ عشق کو مرکر شفا ہوئی

ہم کو نصیب خاکِ درِ مصطفےٰ ہوئی
مقبول بارگاہِ خدا میں دعا ہوئی

کیوں کر کہیں کہ آہ ہماری رسا ہوئی
جب آپ ہی نہ آئے تو تاثیر کیا ہوئی

کس بات پر خفا ہو، سبب کیا ملال کا
میں بھی تو کچھ سنوں کہ خطا مجھ سے کیا ہوئی

سینہ پہ ہاتھ رکھ کے مرے دیکھتے ہیں وہ
اور پوچھتے ہیں کہئے تڑپ دل کی کیا ہوئی

خلوت میں بھی تو ساتھ نہیں چھوڑتی ترا
اچھی ہمارے جان کی لیوا حیا ہوئی

اب کوئی بات پوچھنے والا نہیں مرا
تم کیا خفا ہوئے کہ اجل بھی خفا ہوئی

اچھا بھی میں نے کام کیا تو برا ہوا
بے جا بھی تم سے بات ہوئی تو بجا ہوئی

میں شادیٔ مرگ مژدۂ وصل سے ہو گیا
میرے لئے تو زہرِ ہلاہل دوا ہوئی

دیکھا نہ بھول کر بھی عدو کی طرف کبھی
مشقِ جفا و جور مجھی پر سدا ہوئی

رویا دہانِ زخم مرا خوں فراق میں
مل کر گلے سے تیغ جو اُس کی جدا ہوئی

کیوں کر کہوں میں تم کو مسیحائے روزگار
میرے تو دردِ دل کی نہ تم سے دوا ہوئی

کیوں پوچھتے ہو مجھ سے مرے دل کی آرزو
تم سے کبھی کسی کی بھی حاجت روا ہوئی

یہ رعبِ حسن تھا شبِ وعدہ بڑھا ہوا
مطلب کی بات بھی تو نہ مجھ سے ادا ہوئی

بے تاب ہو کے آئے ہو تھامے ہوئے جگر
دیکھا نہ، کیسی آہ ہماری رسا ہوئی

گزری تمام رات، اسی حیص بیص میں
راضی ہوا وہ شوخ، تو مانع حیا ہوئی

یہ بن سنور کے آج کہاں جا رہے ہیں آپ
کہئے تو کس غریب کی قسمت رسا ہوئی

ہم شیفتہ جمال کے روزِ ازل ہوئے
جس دن کہ تم کو حسن کی دولت عطا ہوئی

آتے ہی، دردِ ہجر کی تکلیف مٹ گئی
تیری گلی مرے لئے دارالشفا ہوئی

پردہ میں جب تک آپ تھے فتنے تھے دم بخود
باہر قدم رکھا تو قیامت بپا ہوئی

مرقد پہ آکے اشک بہا جاتے ہیں وہ روز
اُن کو ہماری قدر جو بعدِ فنا ہوئی

کہنا کسی کا وصل کی شب ہنس کر ناز سے
اظہر قبول اب تو تمہاری دعا ہوئی

جب ضو فشاں وہ چاند سے رخسار ہو گئے
ٹھنڈے چراغِ ثابت و سیّار ہو گئے

دن کاٹنے فراق کے دشوار ہو گئے
آ اے اجل کہ زیست سے بیزار ہو گئے

کٹوا کے سر ہیں منتِ قاتل کے زیر بار
اچھے سبک ہوئے کہ گراں بار ہو گئے

سر کاٹ کر ہمارا ہوئے ہیں وہ بے نقاب
دو ہو کر آج یار سے ہم چار ہو گئے

مُنھ سے اگر نہ بولے، نہ بولیں گا نہیں
سب کچھ تو آنکھوں آنکھوں میں اقرار ہو گئے

کہتے ہوئے یہ میری عیادت کو آئے ہیں
قسمت کھلی تمہاری جو بیمار ہو گئے

بھولے تباہ دیکھ کے وہ حالِ چشم و دل
ٹھہروں کہاں جو گھر تھے سو مسمار ہو گئے

صیّاد دام تھا ترا تسخیر کا عمل
کیا شوق سے ہم آکے گرفتار ہو گئے

تیر اُن کے دل میں رہتے تو کچھ دل لگی بھی تھی
یہ کیا ہُوا کہ دل کے مرے پار ہو گئے

اظہر ہمارے ناز کے پالے دل و جگر
پامال گردشِ نگہِ یار ہو گئے

سہرا بتقریب شادی سید افسر علی مرحوم برادر خان بہادر

تو نے باندھا ہی جو سر سے مہ انور سہرا
ایسا پھولا کہ ہوا جامہ سے باہر سہرا

پا ہی ہی آئنہ رخ پہ ترے اُس نے جگہ
واقعی بخت کا ہی اپنے سکندر سہرا

چاند سے مُنہ پہ ترے بندھ کے کھلا ہی کیا کیا
حسن و رعنائی کا ہی آج ترے سر سہرا

منہ لگانے سے ترے عرش پہ پہنچا ہی دماغ
فخر کرنے لگا سر پہ ترے چڑھ کر سہرا

تجکو شادی ہو مبارک تری اللہ کرے
رہے اقبال کا دائم ترے سر پہ سہرا

لے رہا ہی ترے چہرے پہ ادا سے لہریں
ہی ترے حسن کے دریا کا شناور سہرا

دھوم ہی فرش سے تا عرش ترے شادی کی
ہی بشر جنّ و ملک سب کی زباں پہ سہرا

شان معبود ہی نوشہ کے سراپا سی عیاں
قدرت خالق اکبر ہی سراسر سہرا

رفعت و شان پہ ہستی ہی ترے سہرے کہ
سارے آفاق کے سہروں کا ہی افسر سہرا

ہی شب و روز خدا سے یہ دعا اظہر کی
ہو مبارک تجھے ای جان برادر سہرا

سہرا بتقریب شادی سید انور علی برادر خان بہادر

زمانہ کے دل کو لبھاتا ہی سہرا
کوئی نقش تسخیر ہی یا ہی سہرا

مبارک ہو انور علی تم کو شادی
بڑی منتوں کا تمھارا ہی سہرا

ملی ہی جگہ تجھ سے دولہا کے سر پر
مقدر پہ خود ناز کرتا ہی سہرا

شعاعیں نکلتی ہیں نوشہ کے رخ سے
اسی سے تو ایسا چمکتا ہی سہرا

پھوپی کے، چچی کے کلیجہ کی ٹھنڈک
بہن ماں کی آنکھوں کا تارا ہی سہرا

بڑا انتظار اور ارماں تھا جس کا
خدا نے ہمیں وہ دکھایا ہی سہرا

یہ اترایا ہی منھ لگانے سے تیرے
زمیں پر نہیں پاؤں رکھتا ہی سہرا

ترے دوستوں نے جو دی تھیں دعائیں
انھیں کا تو ظاہر نتیجا ہی سہرا

مجھے جس قدر ہو خوشی کم ہی اظہر
مرے چھوٹے بھائی نے باندھا ہی سہرا

سہرا بتقریب شادی سید سرور علی صاحب
برادر زادہ خان بہادر

مبارک ہو، مبارک ہو تمھیں سرور میاں سہرا
عزیزوں کی دعا کا ہی نتیجہ بے گماں سہرا

کسی میں کچھ کمی باقی نہیں بس جوڑ پورا ہی
تمھارا حسن دلکش ہی تمھارا دلستاں سہرا

تمھارے خیر خواہوں کو خدا نے دن یہ دکھلایا
تمھارے سر پہ جو باندھا گیا با عز و شاں سہرا

پھوپی کی تیری خواہش تھی تجھے دولھا بنا دیکھیں
تمنا تھی کہ باندھیں سر ترے پھوپا میاں سہرا

مسرت کا تری بہنوں کے ہی اندازہ ناممکن
انھیں ہی رات دن شام و سحر ورد زباں سہرا

نمازوں میں دعا تھی یہ روزِ شب یہ تیری دادی کی
کہ باندھی سبہ گھڑی نورِ نظر آرام جاں سہرا

رہے دائم ترا خورشیدِ طالع بامِ رفعت پر
ترقّی کا ہو زینہ تیری اے اللہ میاں سہرا

دلہن دولہا پھلیں پھولیں رہیں آباد خوش اظہر
ہو دونوں کے لئے تمہیدِ عیشِ جاوداں سہرا

تمت

تاریخ وفات خان بہادر مرحوم

از مولوی نفاست حسین صاحب مختارِ عام خان بہادر مرحوم

میرے آقائے مکرّم اظہر — باغِ فردوس سے مسرور ہوئے

اُن کی رحلت کی نفاست تاریخ — بولا ہاتف کہ وہ مغفور ہوئے

۱۳۵۷

از جناب منشی سوہن لال صاحب کارندہ خان بہادر مرحوم

آہ - سرکار بہادر مرحوم — دہرِ فانی سے سدھارے جنّت

دہر میں جب نہ رہا اُن کا وجود — نکلی تاریخ - غریقِ رحمت

۱۹ — ۱۹۳۹

قطعاتِ تاریخ ترتیب و طبع دیوان

خان بہادر سیّد اظہر علی صاحب اسسٹنٹ کلکٹر و اسپشل مجسٹریٹ درجہ اول و رئیس اعظم سہسوان

از جناب مرزا عبدالجمیل بیگ صاحب آثرؔ سہسوانی

بہ سلکِ نظم بیاں طبع اظہرِ مرحوم
ز فکرِ خویش ہزاراں دُرِ معانی سفت

آثرؔ ز ہاتفِ غیبی چو ایں بیاں کردم
بسالِ طبع - کلامِ سلیسِ اظہر - گفت

۱۳۵۷

از جناب پنڈت احسان علی صاحب احسانؔ ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

ہوا آج مطبوع دیوان اُن کا
کہ سر جن کے ملکِ سخن کا تھا تاج

یہ احسان نے اس کی تاریخ لکھی
کہ گفتارِ اظہر ہوئی طبع آج

۱۹ ۶ ۳۸

از جناب اخترؔ انصاری صاحب بی اے آنرز ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

ان روزوں چھپا کلامِ اظہر
ہے رنگ امیرؔ کا نمایاں

غزلیں ہیں فقط ہیں چند سہرے
ہے صرف اسی کا نام دیوان

ہر شعر سے ان کے آئنہ ہے
کیفیت قلب و سوزِ پنہاں

کثرت سے ہیں یوں گلِ مضامیں
جس طرح کوئی ہو گلِ بداماں

تاریخ یہ طبع کی ہے اختر
دل چسپ ہے بے نظیر دیواں

۱۲ھ ۵۷

از جناب سیّد عبد القیوم صاحب آزاد سہسوانی

خوشا طالع چھپا دیوانِ اظہر
کہ جس پر رشک کرتا ہے گلستاں

کھلائے ہیں وہ گل طبعِ رسا نے
یہ دیواں ہے کہ یا ہے صحنِ بستاں

تلمذ تھا امیرِ لکھنوی سے
نہ چھوڑا رنگ وہ تا حدِ امکاں

لکھی آزاد نے تاریخ کیا خوب
بیاں اعجاز ہے اظہر کا دیواں

۱۳ھ ۵۸

از جناب ابو العلا مولوی سیّد نظر احمد صاحب افسوں سہسوانی

کلامِ حضرتِ اظہر چھپا جب
ہوا مطبوع طبعِ ہر سخنور

لکھا افسوں نے یہ مصرعِ تاریخ
عزیزِ دل رہے دیوانِ اظہر

۱۳ھ ۵۷

از جناب سیّد محمد نبی صاحب الم سہسوانی

تاثیر و کیف بے حد ہر شعر سے عیاں ہے
شستہ زباں ہے دل کش بندش ہے چست و بہتر

تاریخ عیسوی میں لکھا الم نے مصرع
اظہر علی کا دیواں ہے دل فریب یکسر

۱۹ ع ۳۹

از جناب ماسٹر سیّد انتخاب حسین صاحب انتخابؔ ڈرائنگ ماسٹر سٹی اسکول علی گڑھ

بحمد اللہ ہوا مطبوع دیوان | کہ اک مدت سے تھے مشتاق احباب
اسی کا انتخابؔ اب سال ہجری | لکھا میں نے ۔ کلام خوب خوناب

۱۳ھ ۵۸

از جناب سیّد محمد طاہر صاحب بیانؔ سہسوانی میونسپل کمشنر

دل کش و بامزہ ہیں سارے شعر | کیف و خوبی بیاں سے باہر ہے
مصرعۂ سالِ طبع ہے یہ بیاںؔ | ہلم باب کلام اظہر ہے

۱۳ھ ۵۷

از جناب سیّد وصی احمد صاحب تائبؔ سہسوانی ڈرائنگ ایکسپرٹ (لندن)

ہر اک شعر پُر لطف و پر کیف ہی ہے | یہ نایاب نسخہ ہے دل بستگی کا
ہے جو شعر بھی ان کا وہ بولتا ہے | فسوں ہے کہ اعجاز ہے شاعری کا
دکھایا ہے نقشہ کہیں گاہ خوں کا | کہیں رنگ عاشق کے دل کی کلی کا
صنم خانہ اس کو نہ کیوں سمجھیں شاعر | کہ ہے رنگ مینائی لکھنوی کا

یہ ہے طبع کی اس کے تاریخ تائبؔ
ہے زیبا یہ دیوان اظہر علی کا

۱۳ھ ۵۸

از جناب سیّد عبدالرب صاحب تشنہ بن مولوی سیّد اقتدار احمد صاحب ساحر سہسوانی

بھاتا ہے کیا کیا سخنور کے دل کو — یہ دیوان بھی ایک ہی دلستاں ہے
سکوں دل کو ہوتا ہے پڑھنے سے اس کے — حقیقت میں عاشق کا آرام جاں ہے
نمایاں ہر اک شعر سے جذبِ دل ہے — مگر رنگِ مینا ہی نکتہ داں ہے
وہ نقشِ حجر ہو کے رہتا ہے دل میں — کچھ ایسا ہی دلچسپ ان کا بیاں ہے
جو الفاظ کو ان کے دُہرائے کوئی — چپک جائیں ہونٹ ایسی میٹھی زباں ہے
کہیں گل عذاروں کا کھینچا ہے نقشہ — کہیں طرزِ عاشق ہے آہ و فغاں ہے
جفائے گل و آہِ بلبل کا خاکہ — غرض عشق و الفت کا یہ گلستاں ہے
کہیں عاشقوں کی ہے صحرا نوردی — کہیں شکوۂ گردشِ آسماں ہے

عجب اس کی تاریخ تشنہ نے لکھی
یہ دیوانِ اظہر عجیب جہاں ہے
۱۳ ھ ۵۷

ایضاً فارسی

اظہر علی خان بہادر دریں جہاں — مجموعۂ کلامِ گرامی خود بہ ہشت
دیواں چو طبع شد پئے تاریخ طبع آں — تشنہ قلم۔ گلِ چمنِ ریختہ۔ نوشت
۱۳ ھ ۵۸

از جناب حافظ سید عبد الملک صاحب تفتہ بن مولوی سید اقتدار احمد صاحب ساحر سہسوانی

جنابِ سیدِ اظہر علی تھے
سخن فہم و سخن سنج و سخنور

چھپا ہے ان کا دیوانِ مبارک
بہ طرزِ خوش نما عنوان بہ رتہ

عجب قدرت نے دی ہے دل نشینی
اثر میں شعر ہر اک تیر و نشتر

بہم ہیں خوش نما الفاظ ایسے
پرو دیں سلک میں جیسے گوہر

قلم کا ان کے مانا سب نے لوہا
دکھائے طبعِ عالی کے وہ جوہر

دکھایا ہے سکونِ قلب معشوق
بیانِ اضطرابِ قلبِ مضطر

کہیں رنگِ نیازِ عاشقانہ
کہیں طرزِ جفائے شوخِ دل بر

فغانِ بلبلِ شیدا کہیں ہے
کہیں رعنائی و رنگِ گلِ تر

یہ لکھی طبع کی تاریخ تفتہ
کلامِ نکتہ دانِ دیوانِ اظہر

۱۹ ۶ ۳۹

ایضاً فارسی

مطبوع طبع گشت چو دیوانِ بے بہا
در بوستاں سرائے جہاں نو گلے شگفت

دریافت کرد تفتہ چو تاریخ عیسوی
جلوہ نمود دفترِ اظہر سروش گفت

دیوان
۱۹ ۶ ۳۸
ہم

از جناب سید تہذیب احمد صاحب تہذیب سہسوانی

مدت سے تھا اشتیاق دل کو — آخر وہ چھپا کلام اظہر
تہذیب یہ سالِ طبع لکھو — دیواں ہے رقیبِ سخنور

۱۳ ھ ۵۷

از جناب منشی نبی بخش صاحب جلیس میونسپل کمشنر سہسوانی

مضمون ہیں اچھوتے، طرزِ بیاں ہے دلکش — شیرینی و فصاحت ہر شعر سے ہے ظاہر
تاریخ عیسوی کا لکھ دو جلیس مصرع — اظہر علی کا دیواں ہے دل کشا و نادر

۱۹ ء ۳۹

از جناب منشی عبد الحسن صاحب انسپکٹر حلقۂ پولیس امروہہ

للہ الحمد در زمانِ سعید — طبع دیواں بشد کہ طبع شگفت
چوں حسن خواست سالِ تاریخش — پس ـ بیانِ فصیحِ اظہر ـ گفت

۱۳ ھ ۵۷

از جناب مولوی سید حمزہ علی صاحب سہسوانی ٹیچر ریاست بھوپال

دل میں جس کا ارماں تھا — چھپتے دیوان وہ دیکھا
حمزہ نے یہ سن لکھا — دفترِ اظہر دل افزا

۱۹ ء ۳۹

از جناب مولوی ابوالبیان یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی

فصاحت کا ہر لفظ اک آئنا ہے
عجب جوہرِ فکرِ رنگیں ادا ہے

یہ ہر بیت میں ہے بہارِ مضامیں
معانی کا اک باغ پھولا پھلا ہے

کہو طبع دیواں کی تاریخ راغب
یہ دیوانِ اظہر علی چھپ گیا ہے

١٣ ھ ٥٨

از جناب ماسٹر کنور محمد ریاض خاں صاحب ریاض بی اے، بی ٹی ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

واقعہ ہے نہیں ہے یہ تعریف
ایک دیواں میں ایک دفتر ہے

لکھی تاریخ طبع کی یہ ریاض
کہ یہ عین الکمال اظہر ہے

١٣ ھ ٥٨

از جناب مولوی سید اقتدار احمد صاحب ساحر سہسوانی ٹیچر مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ

آں بے بدل سخنور - اظہر علی اظہر
بگزاشت نیک دفتر - حرفے ست بے گزافی

گفتہ است راست گفتہ مضمونِ او شگفتہ
در نظم دُر بہ سفتہ - نے نے کہ نیست کافی

ہر لفظ زلفِ پُر خم - مصراع زخم مرہم
ہر شعر ابنِ مریم - دیواں حکیم شافی

نیرنگ دلستانیہا ہیں وہیں قدرتِ بیاں ہیں
شیرینی زباں ہیں، شیریں حج عذب صافی

رنگِ صدائے قلقل۔ طرزِ فغانِ بلبل ‏ صفحہ است ساغرِ مل۔ مے خوار را معانی

از حسن و حسن آئیں بت خانہ ایست ذرّیں ‏ مطبوع طبع رنگیں چیزے ست نی منافی

فرزند نیک ساماں، با زیب و شوکت و شاں ‏ مطبوع کرد دیواں، تا زیں شود تلافی

حیران بود عقلم۔ در سال ابنِ مریم ‏ سر نذر داد و بیہم، بہر شمارِ وافی

دیوان، کتاب، دفتر، خمسہ، غزل، رباعی ‏ ابیات و قطعہ ہر یک، ساحر لسِ قوافی

د - ک - د - خ - غ - ر ‏ ا - ق ‏ - ی

۴ ۲۰ ۴ ۶۰۰ ۱۰۰۰ ۲۰۰ ۱ ۱۰۰ ۱۰

۱۹۳۹ء

دیگر

بشد طبع دیوانِ خان بہادر ‏ بخوبی نہاں و حسنِ جلی

چو تاریخ دیوان ساحر بجستم ‏ شدہ سال۔ گلبانگ اظہر علی

۱۹ ۶ ۳۸

ایضاً اردو

جناب اظہر علی اظہر۔ بڑے سخن رس تھے اور سخنور ‏ زبان شستہ کلام بہتر، غرض کہ مطلع ہو یا کہ مقطع

بہت ہی بہتر کلام والا، ہے لطف ترکیب سے دوبالا ‏ سلیس اردو مذاق اعلیٰ، ہے چست بندش خیال ارفع

امیر نے مشورے دیئے ہیں تو لفظ سانچوں میں ڈھل رہے ہیں ‏ محاورے برمحل لکھے ہیں، حلاوتوں کا زبان منبع

غزل میں سوز و گداز بھی ہے، حقیقتوں میں مجاز بھی ہے ‏ اگرچہ ناز و نیاز بھی ہے، خیالِ عاشق ہر ایک مصرع

چھپا ہے دیواں بشوکت و شاں، ہیں جس سے سب خوبیاں نمایاں ‏ جلائے انسان عینِ انساں، وہی ہے اس وقت دل کا مرجع

کوئی ہے ناظم کوئی ہے ناثر کوئی سخن سنج کوئی شاعر
کوئی زبان و لغت میں ماہر گرد دیواں کی ایک مجمع

جو کوئی دیکھے گا ہوگا ظاہر کہ فکر تاریخ کی تو ساحر
سراپا لائے غزل قصیدہ رباعی و نظم و حسن مطلع

غ + ق + ر + ن + ح

۸ + ۵۰ + ۲۰۰ + ۱۰۰ + ۱۰۰۰

۱۳ ھ ۵۸

دیگر

مرتب جب ہوا دیوانِ اظہر
ہوئے پھر اس کے چھپنے کے بھی ساماں

صنم خانہ سے کم دیواں نہیں ہے
کہ ہے ہر شعر مثلِ زلفِ خوباں

لبِ معشوق شیرینی میں کہیے
صفائی میں ہے شکلِ ماہرویاں

کچھ ایسا درد ہر اک شعر میں ہے
سُنے عاشق تو کردے چاک داماں

غرض یہ ہے کہ کیا تعریف کیجے
وہ نمکینی ہے اس میں ہے نمکداں

کہی تاریخ میں نے اس کی ساحر
بدیع ہند ہے اظہر کا دیواں

۱۳ ھ ۵۸

از جناب سید عبد المالک صاحب ساکت سہسوانی

چھپ گیا دیوانِ اظہر مرحبا صد مرحبا
لفظ لفظ اس کا سخنور کو ہے پتھر کی لکیر

اس کے سالِ طبع کا مجھ کو جو ساکت تھا خیال
دل نے برجستہ کہا۔ دیوانِ جامع بے نظیر

۱۳ ھ ۵۷

از جناب ماسٹر سراج الحق صاحب قریشی بی اے ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

مژدہ گوش کرد بعد انتظار — طبع شد مجموعۂ اشعار خوب
بہر سالِ طبع دیواں ای سراج — من نوشتم۔ بے بدل گفتار خوب

۱۳ھ ۵۷

از جناب ماسٹر سراج الحسن صاحب سراج بی اے بی ٹی ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

وہ چھپ ہی گیا کلام آخر — مشتاق تھے جس کے سب سخنور
تاریخ سراج نے بھی لکھی — ہے۔ زینِ چمن کلامِ اظہر

۱۳ھ ۵۷

از جناب سید سعید احمد صاحب سعید سہسوانی

دل کش ہے دل ربا ہے ہر ایک شعر دیکھو — تاثیر و لطف و خوبی کس طرح سے بیاں ہو
تاریخ طبع کی یہ میں نے سعید لکھی — اظہر علی کا دیواں مشہور دو جہاں ہو

۱۹ ۳۹ ع

از جناب حکیم سید شمیم الحسن صاحب شمیم سہسوانی مقیم کاسگنج

شعر ہیں جیتی جاگتی تصویر — گویا اعجاز ہے سخنور کا
مصرعۂ سال طبع ہے یہ شمیم — معجزہ ہے کلام اظہر کا

۱۳ھ ۵۸

از جناب سید طاہر علی صاحب طاہرؔ برادر زادہ خان بہادر مرحوم

اظہر علی خاں بہادر فلک جناب — جادو نگار شاعر نیکو و خوش بیاں
طاہرؔ علی کلام معلّٰی چو طبع شد — تاریخ گفت ـ دفتر اظہر عزیز جاں

۱۹ ۶ ۳۸

از جناب حکیم قاضی ظفر علی صاحب ظفرؔ سید پوری مقیم کاسگنج

مرصّع ہر غزل ہر شعر نایاب — ہر بندش چیست و نادر طبع مرغوب
ظفرؔ تاریخ یہ کیا خوب نکلی — یہی گنجینۂ اشعار ہے خوب

۱۳ ھ ۵۸

از جناب ماسٹر ظہیر علی صاحب ظہیرؔ سہسوانی مقیم کاسگنج

دیوان وہ ظہیرؔ چھپ گیا ہے — ہر شعر ہے جس کا ایک نشتر
تاریخ نکالی اس کی میں نے — زیب علما کلام اظہر

۱۳ ھ ۵۷

از جناب حکیم کفیل الدین صاحب عالیؔ بدایونی

تعالی اللہ کیا کہنا کلام میر صاحب کا — کہ انداز زبان میر و مرزا لوٹ جس پر ہو
کہا مجھ سے سروش غیب نے کیا فکر کرتے ہو — لکھو عالیؔ یہ لعل بے بہا دیوان اظہر ہے

۱۳ ھ ۵۷

دیگر

کلام میر اظہر کی نہیں تعریف ہو سکتی
ادائے دل نوازی کی بھری ہیں خوبیاں جس میں

سروشِ غیب نے آواز دے کر کہہ دیا عالی
ہے وہ دیواں کہ اندازِ سخن ہے میر کا اس میں

۱۵ ۱۳ ۴۲
۱۵

۱۳ ھ ۵۷

از جناب سیّد محمود علی صاحب عرش قصبہ بسولی

چھپ رہا ہے جو کلام اظہر
شوق دیدار میں دل مضطر ہے

عرش کیا خوب نکالی تاریخ
زیب افزا سخنِ اظہر ہے

۱۹ ء ۳۹

از جناب حکیم سیّد عقیل احمد صاحب عقیل سہسوانی

گویا تخئیل کی ہے اک تصویر
ایک سے ایک شعر بہتر ہے

میں نے کیسا یہ سال طبع عقیل
لکھ دیا - یادگارِ اظہر ہے

۱۳ ھ ۵۷

از جناب سیّد رضی احمد صاحب عیار سہسوانی

سب اور سیر

ہوا طبع عیار دیوانِ اظہر
ہوا نام دنیا میں روشن وطن کا

نگاہوں میں جچتی نہیں اب کوئی شے
وہ دل چسپ ہے رنگ ان کی سخن کا

طبیعت نے وہ پھول تازہ کھلائے ہوئی نرگسِ چشم نقشہ چمن کا
گل رخ کہیں غنچہ لب کہیں ہے کہیں باغ الفت کے زخمِ کہن کا
کہیں نخلِ الفت کی ہے آبیاری کہیں رنگ لالہ کا اور نارون کا
بہارِ محبت چمن در چمن ہے بیاں گلعذاروں کا اور گلبدن کا
کہیں عشق پیچاں کا نقشہ ہے کھینچا کہیں رنگ پھیکا کیا یاسمن کا
عنادل کے دل سے یہ تاریخ نکلی یہ دیوانِ اظہر بدل ہے چمن کا

۱۳ ھ ۵۸

از جناب میر محمد علی صاحب فائق خلف الصدق حضرت مصنفِ مغفور

جناب مرحوم قبلہ گاہی کا جب کہ دیواں ہوا مرتب
مجھے ہوئی فکرِ طبع اس کی کہ ہے یہ ہی مقصدِ سخنور
خیال تاریخ عیسوی کا ہے تم کو فائق تو لکھ دو مصرع
فصیح و دلکش بلند پایہ زہے کلام ہمین اظہر

۱۹ ۶ ۳۸

ابھی طبیعت کو جستجو تھی کہ اور بھی مادہ ہو کوئی
تو بہرِ تاریخ سال ہجری لکھا کلامِ سلیس اظہر

۱۳ ھ ۵۷

از جناب مولوی سیّد محمد رفیع صاحب فاضل جون پوری دبیر کامل و فاضل ادب ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

میر اظہر علی سخن گستر — شاعرِ بے بدل شہیرِ زماں
یادگارِ امیرِ مینائی — شاعرِ خوش بیان و سحر زباں
داشت مجموعۂ کلامِ نفیس — آخر الامر طبع شد دیواں
وہ چہ دیواں کہ بیت بیت غزل — نغرۂ عندلیب خوش الحاں
ہست گر آرزو لپای فاضل — سالِ طبعش۔ کلامِ خوبجہاں

۱۳۵۸ھ

از جناب ماسٹر فیض احمد خاں صاحب فیض بی اے۔ بی ٹی ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

مطبوع ہوا وہ آج دیواں — جو فرد ہے خوبیوں میں لاریب
تاریخ لکھی یہ فیضؔ میں نے — دیواں ہے بے نظیر و بے عیب

۱۳۵۸ھ

از جناب منشی زاہد رضا خاں صاحب کباب علیگرین

چھپ گیا جس وقت اظہر کا کلام — شاعری کا جو کہ تھا اندوختہ
جل کے یہ سیخِ قلم نے کہہ دیا — وصفِ دیواں ہے کبابِ سوختہ

۱۳۵۸ھ

از جناب سید رفیع علی صاحب انوری کیفی فرید آبادی ایم اے ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

طبع نادر کلامِ اظہر شد — طبع شد بہرِ سال او جویا
مصرعۂ لاجواب کیفی گفت — دفترِ عشق ناطق و گویا

۱۳ھ ۵۷

از جناب مولوی سید عبدالخالق صاحب گویا سہسوانی فاضل ادب

یہ مژدۂ شادی سُننے پر کیوں کوئی رہے گا رنجیدہ — مطبوع وہ اب دیوان ہوا مشتاق تھا جس کا ہر دیدہ
دیوان غزل کے چھپنے کا جب سال نکالا گویا نے — تاریخ مسیحی یہ نکلی - گفتارِ اظہر سنجیدہ

۱۹ ۶ ۳۹

از جناب سید مشیر الحسن صاحب مشیر سہسوانی بی اے ایل ایل بی وکیل مسوری

یہ ہے تعریف مختصر دیکھو — بند کوزہ میں اک سمندر ہے
اس کی تاریخ طبع ہے یہ مشیر — یہ مکمل کلامِ اظہر ہے

۱۳ھ ۵۷

از جناب ابو الکمال حکیم مولوی سید اعجاز احمد صاحب معجز سہسوانی

یہ دیوان ہے صحنِ گلزارِ رنگیں — مضامیں ہیں گلہائے بستانِ اظہر
پئے سالِ تاریخ معجز نے لکھا — ہوا طبع اعجوبہ دیوانِ اظہر

۱۳ھ ۵۷

از جناب ماسٹر معصوم علی صاحب معصوم ایف اے سی ٹی ٹیچر سٹی اسکول علی گڑھ

مژدۂ جاں فزا صبا آورد	غنچہ بشگفت و آمدہ ست بہار
سوسنِ بے زباں کلام بہ کرد	چشم بکشود نرگسِ بیمار
یعنی مطبوع گشت آں دیواں	بود مشتاق دل نہ بود قرار
شاعرِ خوش مقال و سحر رقم	طوطیِ گل فشان و شکّر بار
اللہ اللہ شعر پُر از درد	نعرۂ قمری ست و صوتِ ہزار
صورتِ بیت یک مجسّمہ ہست	آہ و افغان شوق عاشقِ زار
شعرِ تازہ کہ نوکِ خامہ نوشت	چارۂ درد و زخم سینہ فگار
از سراپائے خوب معشوقاں	ہست دیواں کہ ہست بیت نگار
کرد معصوم سال طبع رقم	ہست ۔ سحرِ بیان خوش گفتار

۱۹۳۸

از جناب سیّد مہدی حسن صاحب مہدی شاہجہاں پوری داروغہ مطبخ ریاست بھوپال

مرحبا چھپ گیا وہی دیواں	جس کا ہر شعر خوب و برتر ہے
میں نے تاریخ یہ لکھی مہدیؔ	زیبِ عالم کلام اظہر ہے

۱۳۵۷ھ

از جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب عبیدی نادر مدرس اوّل

مدرسۂ عربیہ لطفیہ علی گڑھ

نامرتّب کلام اظہر بود | طبع دیواں بہ شد دریں ایام
طبع نادر چو جستجوے بجرد | گشت تاریخ ۔ سحرِ غیب الہام

۱۳ ھ ۵۷

از جناب ڈاکٹر نبی احمد صاحب نشتر سہسوانی

ہے یہ مجموعۂ اشعار فصیح | ثمرۂ طبعِ لطیفِ اظہر
سال طبع اس کا یہی نشتر نے | لکھا ۔ دیوان منیفِ اظہر

۱۳ ھ ۵۷

از جناب ماسٹر حکیم سیّد نفیس احمد صاحب نفیس سہسوانی

مرد میدانِ سخن اظہر علی شیریں بیاں | شاعرِ بے مثل تھے پائی تھی کیا طبعِ رسا
ہائے کیا کہیے کہ بالکل موت نے فرصت نہ دی | تشنہ آب طبع کا دیوان اُن کا رہ گیا
وہ تمنّائے دلی مدّت کی اب پوری ہوئی | حسن و خوبی سے وہ دیوان آج اُن کا چھپ گیا

جستجو تھی اس کی سال طبع کی مجھ کو نفیس
ہے گلستانِ سخن دیوان ۔ ہاتف نے کہا

۱۳ ھ ۵۷

از جناب حافظ سید وکیل احمد صاحب وکیل سہسوانی منصرم تنقیح ریاست بھوپال

مرحبا مرحبا جزاک اللہ | طبع دیوان ہوا سخنور کا
میں نے بھی سال لکھ دیا یہ وکیل | یہ ہے - ناطق کلام اظہر کا

۱۳ ھ ۵۷

از جناب مولوی محمد معتدی خاں صاحب شروانی مالک شروانی پرنٹنگ پریس

شاعر جادو رقم اظہر علی | شعر او از وصف یکسر بے نیاز
از زبان معتدی تاریخ او | ہست - دیوان خوب و بہتر دل گداز

۱۳ ھ ۵۸

از جناب منشی اوصاف علی صاحب اوصاف خوش نویس علی گڑھی

چھپا جو اوصاف آج دیوان | بحسن و خوبی بہ زیب و تزئین
سر قلم کٹ کے سال نکلا | بیان شستہ - زبان شیریں

۱۳ ھ ۵۸

از جناب ماسٹر سراج الحق صاحب قریشی بی اے
مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول علی گڑھ

ہوئی مسرت چھپا جو دیواں — کہ میرے مخلص تھے میر اظہر

عجب ہی کچھ ان کی شاعری تھی — اچھوتے مضموں خیال برتر

خصوصیت یہ انھیں میں دیکھی — اثر سے اشعار شیر و شکر

کلام کیوں کر نہ چلبلا ہو — بغل میں رکھتے تھے قلب مضطر

سراج مجھ کو خیال آیا — نکالوں تاریخ کوئی بہتر

اٹھا کے زحمت، لکھا یہ میں نے

کلامِ اظہر، کمالِ اظہر!!

سنہ ۱۹۳۹ء

از جناب قاضی سیّد قمر علی صاحب قمر سہسوانی

زابتدا تا بہ انتہا ہے | کلام اظہر تمام پختہ
لکھا قمر میں نے سال ہجری | بیان افسوس کلام پختہ

۱۳ ھ ۵۸

از جناب محمد حفیظ صاحب حفیظ انصاری

متعلم بی۔ اے

شاگرد ساحر سہسوانی

اب وہ دیوان چھپا کہ اپنا دل | اُس کے ہر ایک شعر پر غش ہے
لکھ جھکا کر سرِ ادب تو حفیظ | اس کی تاریخ، نظم دل کش ہے

۱۳ ھ ۵۸

نوٹ: جو تاریخیں اخیر میں موصول ہوئیں وہ بلا ترتیب شامل کر دی گئی ہیں۔

اقتدار احمد
علی گڑھ

صحت نامہ دیوان اظہر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵	۱۳	فما کان موت لقیس موتة واحد	فما کان قیس هلکه هلک واحد
۳۱	۲	جو حال	مقام
〃	۳	ہو نوید	سایہ
〃	۱۳	گلی در گلی	سربسر گلی
۳۲	۱۴	صاحب اب	اب صاحب
۳۳	۴	جنت	خلد
〃	۵	نوشتم	نوشت
۳۴	۷	رقم ہو	لکھوں
〃	۸	رحلت یہ حاذق	حاذق نے یہ
۳۵	۵	یاد خدا	اذکار
۳۶	۸	وو دوال	جاودوال
۴۱	۴	گشتت	گشتہ
〃	۸	رخت	رفت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۲	۳	سوئے جنت چو رحلت ببست	دوش اندر کنار رحمت رفت
۴۴	۱۰	رقم زد قوی	قوی نقش بستہ
۵۰	۶	یہ	یہ
〃	۷	شہسوار	شہوار
۸۰	۱۱	نرمی چشم فسوں گر سرمہ گیں سے	فسوں گر تیری چشم سرمگیں سے
۸۸	۱	استخوانوں پہ	استخواں پر بھی
۹۴	۹	کہنا وہ شب وصل کسی کا کہ دیا ہیں	کہنا وہ شب وصل رہو حد حیا میں
۱۴۲	۷	ازمولوی	از جناب مولوی
۱۵۰	۹	خان بہادر	اظہر زہے
〃	۱۰	بہ جستم	بہ جست
۱۵۳	۹	علما	عالم
۱۵۴	۴	عرش قصبہ	عرش رئیس قصبہ

نوٹ۔ بعد طبع دیوان جو غلطیاں معلوم ہوئیں اُن کا صحت نامہ لگا دیا گیا۔

اقتدار احمد

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبوعہ شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ